ماہنامہ

صراطِ مستقیم برمنگھم

April 2021



وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ

Vol: 41 No. 06 April 2021

Shaban/ Ramadan 1442 AH

جلد: 41 شمارہ: 06 مارچ 2021ء

شعبان، رمضان 1442ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



امت کی توجہ کے مستحق، چینی مسلمان

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

ایک خبر کے مطابق یورپین یونین سمیت کینیڈا، برطانیہ اور امریکہ نے مشترکہ طور پر چین کی جانب سے مسلسل کی جانے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر چین پر مختلف اقتصادی اور تجارتی پابندیاں عائد کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں سرفہرست چین میں آباد اویغور مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کا مسئلہ ہے۔

ان دنوں دنیا کے مختلف ممالک میں آباد مسلمانوں کی حالت زار کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، آئے دن نت نئے مسائل اور چیلنجز نے انہیں حواس باختہ کر رکھا ہے۔ مسائل میں گرفتار مسلمانوں میں سرفہرست چین کے مسلمان ہیں۔ جو اس وقت چین کی حکومت کے ظلم وستم کا شکار بنے، گزشتہ ستر سال سے اسلامی شناخت کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

جن کو دنیا آج اویغوری مسلمان کے نام سے جانتی ہیں، ان مسلمانوں کی اکثریت زنجیانگ نامی علاقہ میں آباد ہے۔ درحقیقت 1949ء سے قبل یہی علاقہ ایک مضبوط اور آزاد ملک ترکستان کا حصہ تھا جو کہ اتراک قوم کے لیے وحدت کی علامت مانا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے اخیر میں استعماری طاقتوں نے اپنے اپنے مفاد کی غرض سے اس ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ مغربی پاکستان کے علاقہ کو روس (سابق سوویت یونین) نے اپنے قبضہ میں لے کر مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا، جو کہ آج ازبکستان تاجکستان اور ترکمانستان کے نام سے جانی جاتی ہیں، اور مشرقی ترکستان پر چین نے قبضہ کر کے اس کو اپنے ملک کا حصہ بنا دیا۔ جس کا مجموعی رقبہ ایک ملین مربع کلو میٹر پر مشتمل ہے۔ بتلایا جاتا ہے کہ اس وقت چین میں مسلمانوں کی کل تعداد 30 ملین ہے۔ جن میں 23 ملین مسلمان اویغور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب کہ غیر حکومتی ذرائع کے مطابق چین میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو ملین سے متجاوز ہے۔

ان اویغور مسلمانوں نے چین کے اس ناجائز قبضہ کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور ابتدا ہی سے اپنی دینی شناخت کی حفاظت اور بقا کی جنگ لڑتے چلے آ رہے ہیں۔ دوسری جانب چین کی جانب سے ان پر روز بروز مختلف تحدیدات اور پابندیوں کے ذریعہ دائرہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، مختلف حیلے بہانوں سے ان مسلمانوں کو ہراساں کرنا، نفسیاتی دباؤ کے ذریعہ ان کو ذہنی تناؤ اور کشمکش کا شکار بنانا حکومتی ہتھکنڈوں میں شامل ہے، جن میں مسلمان خواتین پر حجاب کی پابندی کا عائد کرنا، حتی کہ لمبے اسکرٹ کا زیب تن کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ نیز لفظ حلال پر پابندی، مختلف اسلامی ناموں پر پابندی، حتی کہ ان کی اپنی زبان پر بھی پابندی عائد کی جا چکی ہے۔

اور اب عالم یہ ہے کہ گزشتہ چند ایک سالوں میں مسلمانوں کی دینی شناخت کو ختم کرنے اور ان کی برین واشنگ کی غرض سے حالیہ حکومت نے ایک دو نہیں بلکہ 135 سے زائد ایسے کیمپس قائم کیے ہیں، جہاں ایک ملین سے زائد مسلمان مرد وخواتین نوجوانوں کو جبراً حراست میں رکھ کر ان سے جبری مشقت لی جا رہی ہے، نیز عالمی ذرائع کے مطابق مسلمان خواتین کو جنسی ہراسانی اور جبری نس بندی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کیمپس کو عموماً حراستی کیمپس بتایا جاتا ہے جب کہ حقیقت میں یہ وہ عقوبت خانے ہیں جہاں ہر دن مسلمانوں کو ذہنی اور جسمانی ٹارچر کیا جاتا ہے۔ ان کیمپس میں دو سال گزارنے والی ایک خاتون جو کہ اس وقت اٹلی میں پناہ گزین کی حیثیت سے مقیم ہے، کا کہنا ہے کہ یہ مراکز درحقیقت جہنم ہیں۔ انہوں نے مجھے زیر حراست رکھ کر میری زندگی برباد کر دی، میں اس سے قبل لباس تیار کرنے والی ایک چھوٹی فرم کی مالکہ تھی، حکومتی کارندوں نے بالجبر مجھے کیمپ میں منتقل کر کے مفت سلائی کا کام کرنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا گیا، جو باہر سے مقفل ہوتا اور سارا دن سلائی کے کام پر مجبور کیا جاتا۔ ان کیمپس کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مزید سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا، ناکردہ غلطیوں کو تسلیم کرنے پر دوبارہ نہ کرنے کا وعدہ کرنے پر مجبور کیا جاتا، ان عقوبت خانوں سے رہائی اسی کو ملتی، جو اپنی سوچ، عمل، عقیدے میں تبدیلی کا عملی ثبوت پیش کرتا، پھر اس کو چار سخت امتحانوں سے گزارا جاتا مسؤلین اس کی رہائی کا پروانہ اس وقت جاری نہیں کرتے، جب تک ان کو اس کے مکمل کیمونسٹ بننے کا یقین نہیں ہو جاتا، درحقیقت ان کیمپس کے قیام کا مقصد اویغور مسلمانوں کو ان کے دین، ثقافت اور زبان سے محروم کرنا ہے۔ جس پر چین بلا خوف وخطر اس ترقی یافتہ دور میں عمل پیرا ہے۔

دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ ان تمام حالات کا عالم اسلام کو بخوبی علم ہے۔ مگر سارے عالم اسلام پر سکوت کا ماحول طاری ہے۔ ہر کوئی اپنی دنیا میں مگن ہے۔ ایک امت ہونے کا تصور دھندلا رہا ہے، میدان حشر کا سماں ہے کہ جہاں ہر کوئی ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ کا نمونہ بنا ہوا ہے۔

صرف چند دھیمی آوازیں یورپ امریکہ کی فضاؤں سے بلند ہو رہی ہیں۔ کیا ہماری اسلامی حمیت اور غیرت اس قدر مر چکی ہے کہ غیر کی جانب سے مسلمانوں کی حمایت میں بلند کی جانے والی ان صداؤں پر ہماری زبانیں گنگ اور ہمارے قلم چند تائیدی جملے لکھنے سے قاصر ہیں، اللہ تعالیٰ ہی اس امت کا محافظ ونگراں ہے۔



ماہِ رمضان کی آمد آمد ہے، ماہِ رمضان آیا ہی چاہتا ہے، اللہ تعالی نے ایک بار پھر ماہ رمضان کو ہم سے قریب کر دیا ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی مجھے اور آپ سب کو ماہِ رمضان نصیب فرمائے، اور ماہ رمضان کی فیوض وبرکات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

دینی وملی بھائیو! یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالی کی طرف سے خیر وبرکت نازل ہوتی ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ کی رحمتوں کی برکھا برستی ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی آمد پر جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جاتا ہے اور سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، ارشاد ہے محمد عربی ﷺ کا «إذا دَخَل رمضانُ فُتِّحَتْ أبوابُ الجنةِ وغُلِّقَتْ أبوابُ جهنّمَ، وسُلسِلَتِ الشياطينُ» ”جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔“ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ایک اور روایت میں ہے: «فتحت أبواب الرحمة» ”رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“ (متفق علیہ)

یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جس کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی ہر رات اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے جہنم سے آزادی کا پروانہ نصیب کرتا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے: «إذا كان أول ليلة من شهر رمضان صفدت الشياطين ومردة الجن وغلقت أبواب النار فلم يفتح منها باب وفتحت أبواب الجنة فلم يغلق منها باب وينادى مناد يا باغي الخير أقبل ويا باغي الشر أقصر ولله عتقاء من النار وذلك كل ليلة » ”جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو سرکش جنوں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے (سارا مہینہ) کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان میں سے (سارا مہینہ) ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا اور ایک منادی یہ اعلان کرتا ہے اے نیکی کے طالب! آگے بڑھ اور اے برائی کے طالب! رک جا اور اللہ کی طرف سے لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کیا جاتا ہے اور یہ اعلان رمضان کے مہینے میں ہر رات کو ہوتا ہے۔“ (جامع ترمذی)

اب دیکھنا ہے کون اپنے آپ کو جہنم سے آزادی کا حقدار بناتا ہے، ظاہر ہے اللہ تعالی اُسی آدمی کو جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا کرے گا جو رمضان کے دن ورات کو اسکی مرضیات پر چلنے میں لگائے گا، یہ مہینہ شہر الصیام والقرآن ہے، یہ مہینہ شہر الرحمۃ والغفران ہے، یہ مہینہ شہر الخیر والبرکات ہے، یہ مہینہ شہر التوبۃ ہے، یہ مہینہ شہر الصدقہ والجود ہے، یہ مہینہ شہر الانفاق فی سبیل اللہ ہے، یہ مہینہ شہر الصبر ہے، یہ مہینہ شہر الطاعۃ ہے یہ مہینہ شہر المواساۃ (ہمدردی اور غمخواری) کا ہے یہ وہ مہینہ ہے، جس میں برائیاں مٹادی جاتی ہیں، درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں، یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں گناہ دُھل جاتے ہیں، یہ مہینہ اللہ تعالی کی طرف سے عطاؤں اور بخششوں کا مہینہ ہے، قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی نوازشوں، بخششوں اوراس کے جود وکرم اور فضل واحسان سے فیضیاب ہوکر خوش نصیبی اور سعادت مندی اختیار کرتے ہیں، یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کی آمد کا انتظار سلف صالحین چھ ماہ پہلے ہی سے کیا کرتے تھے، معلی بن فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں:"كان السلف الصالح يدعون الله ستة اشهر أن يبلغهم رمضان" ”سلف صالح چھ ماہ پہلے ہی سے یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ تو ہمیں رمضان نصیب فرما۔“ سلف صالحین چھ ماہ پہلے ہی اس ماہ کو پانے کی تمنا اور دعا کرتے تھے، یحی بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " كان من دعائهم اللهم سلمني رمضان وسلم لي رمضان وتسلمه مني متقبلا" ”سلف صالحین کی یہ دعا ہوا کرتی تھی کہ اے اللہ تو مجھے رمضان صحیح سالم نصیب فرما، ایسا نہ ہو کہ رمضان سے پہلے مجھے اچانک موت آجائے اور مجھے ایسی کوئی بیماری لاحق ہوجائے جو مجھے روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے سے روک دے، اور مجھے رمضان اس طرح نصیب فرما کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہوجائے جس سے روزہ کو نقصان پہنچے اور روزہ متاثر ہو، رمضان متاثر ہو، اور رمضان میں جو کچھ نیکیاں میں نے کی ہیں، اے اللہ! تو انہیں قبول ومنظور فرما۔

محترم قارئین! ماہِ رمضان کا پانا، اس کا ملنا اور نصیب ہونا، ایک عظیم نعمت ہے جسے پاکر مسلمان خوش ہوتے ہیں اور ماہ رمضان ملنے پر مسلمان کو خوش ہونا بھی چاہیئے کیوں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (سورہ یونس:58) "آپ کہہ دیجئے کہ انہیں اللہ کے اس فضل اور اس رحمت پر خوش ہونا چاہئے یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں وہ جمع کرتے ہیں۔"

ماہِ رمضان کا پانا، اس کا ملنا اور نصیب ہونا یہ اللہ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت ومہربانی نہیں تو اور کیا ہے، اس لئے ماہ رمضان پانے پر ایک مسلمان کو خوش ہونا چاہئے۔

ماہ رمضان، اللہ اکرم الاکرمین غنی وحمید کے ساتھ نفع بخش تجارت کرنے کا ایک عظیم موسم ہے جس کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں خرچ کرنے سے خالی نہیں ہوتے، اگر تمام مخلوق جنات وانسان ایک میدان میں جمع ہوجائیں اور ہر کوئی اللہ سے مانگے تو اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی، جیسے سوئی سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔«ياعِبَادِي : لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ ، فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي ، إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ» (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم)

"اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے انسان وجنات سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کی مانگ کو پورا کردوں (توسب کی مانگ پورا کرنے پر) میرے خزانوں میں صرف اتنی سی کمی آئے گی جتنا سوئی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکالا جائے۔"

جب تاجر حضرات ان موسموں کے لئے تیاری کرتے ہیں جن میں ان کو دوگنا نفع حاصل ہوتا ہے تو ایک بندہ کو چاہئے کہ وہ اس عظیم موسم کے لئے تیاری کریں، جس میں نیک اعمال کرنے پر بلا حدوحساب اجروثواب دیا جاتا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (سورۃ الزمر:10) "بے شک صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا بے حساب اجر دیا جائے گا۔" صبر میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ رب العالمین کی اطاعت پر صبر کیا جائے۔

نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہوا ہے کہ روزہ رکھنے پر بلاحد وحساب اجروثواب ملتا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے: «كل عملِ ابنِ آدمَ يُضاعفُ الحسنةَ بعشرِ أمثالها إلى سبعمائةِ ضعفٍ . قال اللهُ عزّ وجلَّ : إلا الصومُ . فإنّهُ لي وأنا أجزي بهِ . يَدَعُ شهوتَه وطعامَه من أجلي» "ابن آدم کے ہر عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھادیا جاتا ہے، لیکن اللہ عزوجل کا فرمان ہے روزہ کے سوا، کیوں کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، کیوں کہ روزہ دار اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو میری خوشنودی کے لئے چھوڑتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ ماہ رمضان میں نیک اعمال کا ثواب بڑھا کر دس گنا سے سات سو گنا تک کردیا جاتا ہے سوائے روزہ کے کیوں کہ اس کا اجروثواب بلا حد وحساب دیا جائے گا۔

آیئے اب ہم جانتے ہیں کہ اس مبارک اور معزز مہینہ کی تیاری کیسے کریں، اور اس کی تیاری درج ذیل امور کو اپنا کر کریں:

☆سب سے پہلے سچی توبہ کرکے اس مہینہ کے لئے تیاری کریں، کیوں کہ جب بندہ اور خیر کے کام کے درمیان گناہ حائل رہتا ہے تو یہ گناہ بندہ کو نیک اعمال کرنے سے روکے رکھتا ہے اور جب بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو پھر بندہ کی طبیعت نیکیاں کرنے کے لئے آمادہ اور تیار رہتی ہے: "جاء رجل إلى الحسن البصري – رحمه الله – وقال له يا أباسعيد : أجهز طهوري وأستعد لقيام الليل ولكني لا أقوم , ما سبب ذلك؟ فقال له الحسن: قيدتك ذنوبك" "امام حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا اے ابوسعید (یہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی کنیت ہے) میں وضو کا پانی ریڈی رکھ کر قیام اللیل کے لئے تیار رہتا ہوں لیکن قیام اللیل کے لئے اٹھ نہیں پاتا، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس شخص سے فرمایا: "تمہارے گناہوں نے تمہیں باندھ رکھا ہے۔"

جی ہاں، گناہ ومعصیت ہر خیر وبھلائی سے محرومی کا باعث ہے، آپ دیکھیں گے کہ لوگ کس طرح اپنا وقت ضائع اور برباد کر رہے ہیں اور رمضان جو نیکیوں کا موسم ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے جب کہ وہ ماہ رمضان کے فضائل وبرکات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گناہوں نے انہیں جکڑ لیا ہوتا ہے جس کی بناپر وہ رمضان کی خیر وبھلائی سے محروم رہتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ "اے ایمان والو! تم اپنے رب کے حضور صدق دل سے توبہ کرو، اُمید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔" (سورۃ التحریم:8)

ہم سب گنہگار ہیں اس لئے ماہ رمضان کو خیر وبھلائی کا کام انجام دینے کے لئے نقطہ آغاز سمجھئے، خیر وبھلائی شروع کرنے کا مرکز جانئے اور اس مہینہ میں انواع واقسام کی نیکیاں انجام دے کر اپنے دل کو نیکیوں کے انوار سے مالامال کرلیجئے، اور ماضی میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی تلافی کیجئے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوجایئے تو اللہ آپ کی طرف متوجہ ہوگا، کیوں کہ ماہ رمضان میں ایسے اعمال پائے جاتے ہیں جو گناہوں کی مغفرت کا باعث ہیں، جنہیں بجا لانے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،

فرمان نبوی ﷺ ہے: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» ”جس نے ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے“ آپ ﷺ نے فرمایا:«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» (متفق علیه) ”جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ اس مہینہ کا قیام کیا، راتوں کو تراویح کی نماز پڑھی تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔“نیز فرمایا:«مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَاناً وَاحتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» ”جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ شب قدر کا قیام کیا تو اس کے گزشتہ سارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔“(متفق علیہ)

وقال ﷺ: «أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ: «رَغِمَ أَنْفُه، رَغِمَ أَنْفُه رَغِمَ أَنْفُه قيل من يا رسول الله ؟ قال مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، فَقُلْتُ: آمِين» آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا (اے محمد ﷺ) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، ایسا انہوں نے تین مرتبہ کہا، آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ کون شخص ؟فرمایا: وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کرالی، تو میں نے اس پر آمین کہا۔“

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «الصَّلواتُ الخَمْسُ والجمعةُ إلى الجمعةِ ورمضانُ إِلَى رمضانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بينهُنَّ إذا اجْتُنِبت الْكَبَائر» ”پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک گناہوں کو مٹا دینے والے ہیں جب کہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔“

ماہ رمضان میں گناہوں کی مغفرت کے یہ عظیم اسباب ہیں جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرالی تو وہ خسارہ اور نقصان میں رہا اور بہت ساری بھلائیوں سے محروم رہ گیا۔

اس لئے میرے بھائیو! سچی توبہ کر کے اس مہینہ کی تیاری کریں اور یقین جانئے سچی توبہ کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس سوار مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک بیابان سنسان وادی کی طرف سفر کر رہا ہوتا ہے، راستہ میں وہ آرام حاصل کرنے کے لئے ایک درخت کے سایہ میں لیٹ جاتا ہے اور پاس ہی وہ اپنی اونٹنی کو بھی باندھ دیتا ہے جس پر اس کا سامان سفر ہوتا ہے، اور پھر وہ سو جاتا ہے جب اس کی آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی وہ سواری موجود نہیں جس پر اس کا سامان سفر بھی ہے اب تو وہ حیران وپریشان ہوتا ہے اور جگہ جگہ چھان مارتا ہے لیکن اس کی اونٹنی سواری نہیں ملتی۔ اب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اب تو مرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، تو وہ مرنے کے لئے اسی جگہ آکر لیٹ جاتا ہے جہاں وہ پہلی بار لیٹا ہوتا ہے۔ جب وہ دوبارہ سو کر اٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی وہ سواری جو غائب تھی اپنی جگہ کھڑی ہے یہ دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہو جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: «أخطأ من شدة الفرح» شدت خوشی سے وہ بالکل پاگل ہو جاتا ہے اور یہ کہہ دیتا ہے: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِی وَأَنَارَبُّكَ، اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تمہارا رب ہوں۔ جب کہ کہنا چاہئے: اَللّٰهُمّ أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ”اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میں تمہارا بندہ ہوں۔“

چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں، صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے جب بندہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہے:« لله أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتَى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ» ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر، جب وہ (بندہ) اس کی طرف توبہ کرتا ہے، تم میں سے کسی ایسے شخص کی نسبت کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک بے آب وگیاہ صحرا میں اپنی سواری پر (سفر کر رہا) تھا تو وہ اس کے ہاتھ سے نکل (کر گم ہو) گئی، اس کا کھانا اور پانی اسی (سواری) پر ہے۔ وہ اس (کے ملنے) سے مایوس ہو گیا تو ایک درخت کے پاس آیا اور اس کے سائے میں لیٹ گیا۔ وہ اپنی سواری (ملنے) سے ناامید ہو چکا تھا۔ وہ اسی عالم میں ہے کہ اچانک وہ (آدمی) اس کے پاس ہے، وہ (اونٹنی) اس کے پاس کھڑی ہے، اس نے اس کو نکیل کی رسی سے پکڑ لیا، پھر بے پناہ خوشی کی شدت میں کہہ بیٹھا، اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر گیا۔“(صحیح مسلم، كِتَابُ التَّوْبَةِ بَابٌ فِي الْحَضِّ عَلَى التَّوْبَةِ وَالْفَرَحِ بِهَا)

اس مہینہ کی تیاری اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کر کے کریں جو روف ورحیم اور تواب وغفور ہے۔

☆دوسرا یہ کہ اس مہینہ کی تیاری نیکیوں کی بجا آوری میں محنت کرنے پر سچی نیت اور ارادہ کر کے کریں، کیوں کہ نیک نیتی کے باعث بندہ کو اللہ کی مدد اور اس کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:﴿إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ الانفال: 70) ”اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ہی۔“

ایک جگہ اور فرمایا: ﴿لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ (سورۃ الفتح:18) "یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اس نے معلوم کر لیا، اور ان پر اطمنان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔"

یہ دونوں آیات اس بات پر دلیل ہیں کہ نیک نیتی بندہ کے لئے اللہ کی توفیق کا سبب ہے اس لئے ایک مسلمان آدمی کو چاہیے کہ وہ ماہ رمضان میں نیکیاں بجالانے اور اس میں محنت کرنے پر پختہ اور سچی نیت کرے، گویا اپنی زبان حال سے کہے اگر میں نے رمضان کا مہینہ پالیا تو اللہ تعالیٰ میری کار کردگی کو دیکھے گا، بندہ کو چاہئے کہ وہ کثرت سے دعا کرے کہ اللہ اس مہینہ میں اسے اپنی مرضیات پر چلانے میں اس کی اعانت و مدد فرمائے، کیوں کہ رمضان کا مہینہ مل جانا یہ کمال نہیں بلکہ اس مہینہ میں نیکیوں کی توفیق نصیب ہونا یہ کمال ہے، کتنے انسان ایسے ہیں جن کو رمضان کا مہینہ نصیب ہوتا ہے لیکن اسے خیر کی توفیق نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ اس مہینہ میں کبائر بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، ایک مسلمان کو چاہئے کہ یہ دعا بکثرت پڑھے جو نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»"

"اے اللہ تو مجھے اپنا ذکر شکر اور اچھی طرح عبادت بجالانے پر میری اعانت و مدد فرما۔" یہ دعا رمضان اور غیر رمضان سب میں پڑھی جائے، لیکن رمضان میں اس کی ضرورت واہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ نفع بخش دعا وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی مرضیات پر چلنے کی اعانت و مدد طلب کی جائے۔"

☆ اس مہینہ کی تیاری قرآن کریم کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر کر کے کریں، دوستو! یہ مہینہ شہر القرآن ہے، اسی مہینہ میں اللہ کے نبی محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا اور اسی مہینہ میں آپ نبوت ورسالت کے دولت سے سرفراز کئے گئے، جب رمضان کا مہینہ ہوتا تو جبریل امین آپ کے پاس آتے اور قرآن کا مدارسہ مذاکرہ اور مراجعہ فرماتے، جس سال آپ کی وفات ہوئی اس دفعہ رمضان میں جبریل دو دفعہ آپ کے پاس مدارسہ قرآن کی دہرائی کے لئے آئے، اس لئے اس مہینہ میں قرآن کی تلاوت بکثرت کریں، قرآن حفظ کریں، قرآن کا مراجعہ کریں، قرآن میں تدبر و تفکر کریں، لیکن آج مسلمانوں نے تو قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے، بتلایئے کتنے مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے گزشتہ رمضان سے اب تک قرآن مجید ایک بار ختم کیا ہے، کتنے ایسے ہیں جنہوں نے اب تک قرآن کریم کا ایک پارہ بھی ختم نہیں کیا ہے، اور کتنے ایسے ہیں جن کو اب تک قرآن اٹھا کر پڑھنے کی بھی توفیق نصیب نہیں ہوئی، اسی لئے کل قیامت کے دن اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے: ﴿ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ (سورۃ الفرقان:30) "اور رسول کہے گا، اے میرے رب! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔"

جب کہ ہمارے اسلاف ہر تین دن میں ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے، ان کی بلند ہمتی کا کیا پوچھنا، وہ دنیا اور آخرت کو اچھی طرح پہچانتے تھے، اس لئے انہوں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی تھی، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَلآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى﴾ "اور یقیناً آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے۔"

☆ اس مہینہ کی تیاری کثرت دعا کے ذریعہ کریں، کیوں کہ کثرت دعا کی وجہ سے آدمی کو اللہ تعالیٰ اطاعت کی توفیق مرحمت فرماتا ہے اور اس کے وقت میں برکت ڈال دیتا ہے اور مختلف قسم کی نیکیوں کے کام اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے کروا دیتا ہے، کیوں کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کی طرف سے توفیق ملتی ہے، اس لئے اس ماہ کے آنے سے پہلے اور آنے کے بعد بھی ہر لحہ اور ہر آن اس رب کریم کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہیئے۔

اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ دعا کر کے فائدہ اٹھایئے، کیوں کہ یہ دعا کا مہینہ ہے، اور دعا کی آیت روزہ کی آیات کے درمیان ذکر ہوئی ہے جس سے دعا کی اہمیت مزید واضح ہوتی ہے، دعا کرنے کی قرآن کریم میں بڑی فضیلت اور ترغیب آئی ہوئی ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمَ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ "اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" اور ایک جگہ فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ "جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: "اس آیت میں دعا کی ترغیب و تاکید بیان ہوئی ہے اور یہ آیت روزہ کے احکام و مسائل کے درمیان ذکر کی گئی ہے جس میں مہینہ کے اختتام تک اور ہر روز افطار کے وقت دعا میں اہتمام کرنے کی ہدایت و تلقین کی گئی ہے۔" انتھی کلامہ۔

اور فرمان نبوی ﷺ ہے: «أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاء» "دعا افضل ترین عبادت ہے۔" اور آپ نے یہ بھی فرمایا: «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى الله تَعَالَى مِنَ الدُّعَاءِ» "اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں دعا سے بڑھ کر قابل قدر کوئی چیز نہیں۔"

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: «إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يردُّهُمَا صَفْراً

خائبتين» ''تمہارا رب بڑا شرمیلا اور کریم ہے وہ اپنے بندہ کے اٹھائے ہوئے ہاتھوں کو خالی اور نامراد واپس کرنے سے شرماتا ہے۔''

پورا ماہ رمضان دعا کرنے کا محل وموقع اور موسم ہے، بالخصوص افطار سے پہلے کی گئی دعا قبول کرلی جاتی ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:«ثلاثة لا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ الإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ » ''تین شخصوں کی دعاء رد نہیں کی جاتی، افطار کے وقت روزہ دار کی دعا، منصف امام کی دعا اور مظلوم انسان کی دعا''(رواہ الترمذي)

اس لئے ماہ رمضان میں دعاء کرنے کا اہتمام کیجئے اور یہ یقین رکھئے جو برابر دروازہ کھٹکھٹائے اس کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

محترم قارئین!

رمضان ہمارا معزز مہمان ہے ہمیں اپنے معزز مہمان کی قدر کرنا چاہئے، اور اپنے اعضاء وجوارح کو اللہ کی معصیت ونافرمانی سے محفوظ رکھ کر اس ماہ کے تقدس وعظمت کا خیال رکھنا چاہئے۔

لیکن آپ کو سخت تعجب ہوگا کہ آج رمضان تو ڈراموں کا موسم بنا ہوا ہے جن کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے دین سے برگشتہ کیا جارہا ہے اور ان کو فتنہ وفساد سے دوچار کیا جارہا ہے، اس بڑے جرم (گناہ) کے ذمہ دار وہ گنہگار فضائی چینلوں کے مالکان ہیں جو زمین میں شر وفساد پھیلاتے ہیں، ایسے گندے فضائی چینلوں کے مالکان کو اللہ کے اس فرمان سے ڈر جانا چاہئے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔''(سورۃ النور:19)

علامہ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: یہ وعید مجرد برائیاں پھیلانے والوں کے لئے ہے۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں شدید عذاب کی دھمکی دی ہے اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ بری بات پھیلانے کے کیسے خطرناک اثرات مسلم سوسائٹی پر مرتب ہوتے ہیں، ان کا علم اللہ کو ہے، تم ان کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے ہو۔

اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی ہے:﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ ''بیشک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔(سورۃ البروج:10)

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس مہینہ کی فضیلتوں اور عظمتوں کا خیال رکھیں اور اپنے کان اور آنکھ کو حرام دیکھنے اور حرام سننے سے روکے رکھیں، اسے ایسا کرنے پر اللہ تعالی کی طرف سے اجر عظیم ملے گا، فرمان الٰہی ہے:﴿ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی احترام والی چیزوں کی تعظیم کرے تو یہ بات اس کے پروردگار کے ہاں اس کے لئے بہتر ہے۔'' (سورۃ الحج آیت:30)

ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ ''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔''

جس طرح نیکیوں کے کرنے پر اجر ہے اسی طرح برائیوں کے چھوڑنے پر بھی ثواب ہے اس لئے ہم مسلمانوں کو اس مہینہ کی حرمت وعظمت کا خیال کرتے ہوئے برائیوں سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: « مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ » (سنن ابن ماجہ)

''جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا اور جہالت کرنا ترک نہ کرے تو اللہ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اور جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے مراد ہر جھوٹی اور حرام بات جیسے غیبت، چغلی، فحش کلامی، لعن طعن، جہالت اور بیوقوفی وغیرہ ہے، تو جس نے اللہ کی معصیت ونافرمانی سے باز رہ کر اس مہینہ کی تعظیم کی، اس مہینہ کا احترام کیا تو اللہ اس کو عظمت نصیب کرے گا اور اسے خیر اور تقوی میں آگے بڑھائے گا، اس کے خیر وتقوی کو زیادہ کرے گا، اے اللہ! تو ہمیں روزہ رکھنے، قیام کرنے اور تمام نیکیاں بجالانے کی توفیق عطا فرما اور ہماری نیکیوں کو قبول فرما اور برائیوں سے بچا۔ آمین۔

اسی طرح رمضان کی تیاری اس کے احکام ومسائل کو سیکھ کر کریں کیوں کہ بعض لوگ جہالت اور لاعلمی کی بنا پر رمضان کے دنوں میں اور روزہ کی حالت میں ایسے امور کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں جن کا شمار حرام، ممنوع اور مفطرات (روزہ توڑ دینے والی چیزوں) میں ہوتا ہے، اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ ماہ رمضان آنے سے پہلے روزہ کے احکام ومسائل کو سیکھ لے، اس سلسلہ میں ان کتابوں کا مطالعہ اور ان ویڈیو اور آڈیو تقاریر کا سننا بیحد مفید ہوگا جو روزہ، قیام، شب قدر، اعتکاف اور آخری عشرہ کے فضائل ومسائل اور صدقہ فطر کے احکام ومسائل سے متعلق ہیں، اور یہ کتابیں اور کیسٹیں اللہ کے فضل وکرم سے بآسانی دستیاب ہیں، اس طرح آپ اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں گے۔

فقہ وفتاویٰ

سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

سوال: فتویٰ کمیٹی برطانیہ سے استفسار کیا گیا ہے کہ آیا تعلیم جاری رکھنے کی غرض سے طلبہ حکومتی قرض لے سکتے ہیں؟ دوسرا سوال گھر خریدنے کے بارے میں ہے جو کہ بطور آمدنی Investment کی غرض سے ہو؟

جواب: پہلے مسؤول کے بارے میں ہم سائل کو یورپین کونسل برائے فتویٰ اور ریسرچ کے فتویٰ نمبر 81 (4:18) کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ یورپ میں مقیم مسلمان طلبہ کو ان سہولیات سے فائدہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو یورپین حکومتیں طلبہ کو قرض کی حیثیت سے دیتی ہیں اور جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کی فیس ادا کر سکیں اور اپنے رہنے سہنے کے اخراجات پورے کر سکیں بشرطیکہ قرضے کی یہ رقم رہنے سہنے کے اخراجات کی نسبت سے سودی اضافے کے ساتھ مربوط نہ ہو اور اس اجازت کی بنیاد دو باتوں پر ہے:

1۔ دنیاوی طور پر یہ قرضے برائے تعلیم سود کے عنصر سے خالی ہوتے ہیں۔

2۔ وہ قوانین کے جن کے مطابق طلبہ سے قرض کی ادائیگی مطلوب ہوتی ہے، ان میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ طلبہ کی مالی حالت کیا ہے اور ان میں ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جب تک وہ اوسط آمدنی پر مشتمل کوئی ذریعہ برائے آمدنی نہ حاصل کر لے، پھر اس سے یہ رقم قسطوں میں وصول کی جاتی ہے جس میں حکومتی نظام برائے ٹیکس کا اعتبار کیا جاتا ہے یعنی آمدنی کے مطابق ٹیکس کی نسبت کا تعین کیا جاتا ہے اور اس میں دائن (یعنی قرض دینے والے حکومتی ادارے) کا نہیں بلکہ مدین (یعنی قرض لینے والے طالب علم) کی مصلحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔

اور جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو گھروں کی خرید برائے آمدن (Investment) کہ جس میں سودی معاملہ روا رکھا جاتا ہے، بالکل حرام ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس سودی معاملے سے گریز کرنا چاہیے، یہ فتویٰ کونسل کی قرارداد نمبر (2:4،7) میں آ چکا ہے کہ سودی قرضے کے ساتھ گھروں کا خریدنا جائز نہیں ہے۔ صرف اپنی رہائش کے لیے اگر گھر خریدنا مقصود ہو تو وہ چند محدود شرطوں کے ساتھ جائز رکھا گیا ہے اور اس میں بنیادی شرط یہی ہے کہ گھر اپنی رہائش کے لیے ہو نہ کہ تجارت کی خاطر لیا گیا ہو اور یہ معاملہ کرنے سے پہلے ان تمام متبادل وسائل کے حصول کی کوشش کی گئی ہو جو سود کے شائبہ سے خالی ہوں۔ (ف ک)

سوال: ایک خاتون نے اپنی حالت زار بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ایک بہت بڑا فراڈ ہوا ہے۔ ایک شخص نے شادی کا جھانسہ دے کر اس سے 70 ہزار پاؤنڈ ہتھیا لیے اور پھر رفو چکر ہو گیا۔ یہ رقم زیادہ تر اس کے بھائی کی تھی جو اس کے پاس تھی، وہ بڑی مشکل سے رقم کا بڑا حصہ واپس کر پائی ہے لیکن باقی واپس رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی تو کیا وہ باقی رقم دینے سے انکار کر سکتی ہے؟

جواب: اس کے بھائی کی طرف سے دی گئی رقم اس کے پاس اگر امانت تھی تو بہر صورت وہ اسے واپس کرنے کی پابند ہے کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کیا اپنی خواہش کے طور پر کیا، تو اب وہ اس مال کی ضامن ہوگی اور اگر وہ مال بطور قرض دیا گیا تھا تو قرض کی ادائیگی بھی ضروری ہے لیکن قرض دینے والے کو مقروض کی مالی حالت کا احساس ہونا چاہیے اور اگر وہ تنگی دامن کی بنا پر قرض کی ادائیگی نہیں کر سکتا تو اسے مہلت دینی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ﴾ (سورۃ البقرۃ:280)

"اور اگر (مقروض) تنگی کا شکار ہے تو اسے مہلت دی جائے یہاں تک کہ وہ مالدار ہو جائے۔"

اور یا پھر وہ اسے باقی رقم معاف کر دے جیسا کہ ایسی آیت کے آخر میں کہا گیا ہے:

﴿وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (سورۃ البقرۃ:280)

"اور اگر تم معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔"

سائلہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کسی مخیر شخص یا رفاہی تنظیم سے زکاۃ وصول کرنے میں حق بجانب ہے تا کہ اپنا قرض واپس کر سکے۔ اس بات کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیث پر رکھی گئی ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص پھلوں کا کاروبار کرتا تھا لیکن پھل خراب ہونے کی بنا پر اسے نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور اس پر کافی قرض چڑھ گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان کیا کہ لوگ اس پر صدقہ کریں۔ تو لوگوں نے صدقات دینے شروع کیے لیکن پھر بھی اس کا پورا قرض ادا نہیں ہو سکا تو نبی ﷺ نے اس کے تمام قرض خواہوں سے کہا: "جو مل گیا ہے وہ لے لو، تمہارے لیے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔" (صحیح مسلم)

اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے حالات سدھار دیں۔

سوال: ایک سائل کا کہنا ہے کہ کورونا کی بنا پر ایک ہی دن اس کے والد اور دادا کی وفات ہوئی، والد کا انتقال صبح ہوا اور دادا کا شام کو، دادا کی اولاد میں ایک تو میرے والد تھے جو انتقال کر گئے اور چھ (6) بیٹیاں تھیں، اب ہماری برادری کے متعدد افراد کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ میرے والد، دادا کی حیات میں انتقال کر گئے تھے، اس لیے ان کا دادا کی میراث میں کوئی حصہ نہیں ہو گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یا میرے بھائی بہنوں کو بھی دادا کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ برائے مہربانی ہماری صحیح رہنمائی کریں۔

جواب: یہ مسئلہ میراث کی کتب میں 'مناسخہ' کے ضمن میں تحریر کیا جاتا ہے، یعنی ایک شخص کی وفات کے بعد اس کے ورثہ میں سے کسی دوسرے کا فوت ہو جانا جب کہ میراث ابھی تقسیم نہیں ہوئی۔

آپ کے مسئلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ دادا کو اپنے بیٹے کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔ چنانچہ آپ اپنے والد کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ اپنے دادا کے لیے مختص کر دیں۔ اب دادا کے ترکہ میں سے ان کی بیٹیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا اور جو باقی ایک تہائی بچا ہے ، وہ آپ کے (اور آپ کے بھائی بہنوں) کے حصے میں آئے گا کیونکہ اب آپ ہی میت کے قریب ترین وارث ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر 11 ملاحظہ ہو جس میں باپ اور بیٹیوں کے حصص بتائے گئے ہیں اور جب اصحاب الفروض کو ان کے حصے مل جائیں تو باقی سنت کے مطابق قریب ترین رشتہ داروں کو جاتا ہے۔

آپ کے دادا کے ترکہ کو نو حصوں میں تقسیم کیا جانا چاہیے، جس کے دو تہائی یعنی چھ حصص بیٹیوں کے لیے ہوئے، ہر ایک بیٹی کو ایک حصہ ملے گا اور باقی تین حصے آپ کے حصے میں آئے۔

جن لوگوں نے یہ رائے دی ہے کہ آپ کا کوئی حصہ نہیں، وہ درست بات نہیں کہہ رہے ہیں۔

واللہ اعلم (ص ح)

سوال: میں نے کرائے پر ایک مکان لیا ہے، مالک مکان کی طرف سے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ میں اس مکان کو کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے کرائے پر دوں، ان کا کہنا ہے کہ یہ مکان صرف میرے شخصی استعمال میں ہو گا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے ذاتی استعمال میں ہونے کا مطلب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں اسے اپنی آمدنی کے لیے استعمال کروں۔ میرے لیے دوسرا راستہ یہ رہ جاتا ہے کہ میں ایک وین(Van) خرید لوں اور پارسل ڈیلوری کا کام انجام دیتا رہوں تا کہ میری آمدن ہو سکے لیکن میرے پاس وین خریدنے کے لیے پوری رقم نہیں ہے جو کہ سودی قرضے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: جہاں تک مکان کو Sul-let کرنے کا سوال ہے تو اگر مالک مکان اس امر سے منع کر چکا ہے تو آپ کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، آپ کو معاہدے اور اس کی شرائط کی پابندی کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾(سورۃ المائدۃ:1)

"اے ایمان والو! معاہدوں کی پابندی کرو۔"

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: «الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ» (جامع ترمذی اور دار قطنی بروایت عمرو بن عوف مزنی) "مسلمان اپنی طے کردہ شرطوں کے پابند ہوتے ہیں۔"

گو یہاں 'مسلمان' کا لفظ عام مسلم معاشرے کے لحاظ سے وارد ہوا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ غیر مسلم مالک مکان سے کیے گئے معاہدے کی پابندی نہ کریں اور جہاں تک گاڑی خریدنے کا تعلق ہے تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ اس کے لیے سودی قرضہ لیں جو کہ بالکل ناجائز ہے اور دوسرا طریقہ ہائر پر چیز کا ہے یعنی کمپنی اس بنیاد پر آپ کو گاڑی بیچے کہ اس کی قیمت شروع سے طے کر دی گئی ہو اور آپ کو یہ قیمت اقساط میں ادا کرنے کی سہولت حاصل ہو، اسے طویل مدتی بیع کہا جاتا ہے جو کہ مذکورہ بیان کردہ صورت کے اعتبار سے جائز ہے۔ (ف ک)

سوال: یورپین کونسل برائے فتویٰ اور ریسرچ کے اراکین میں سے ایک رکن سے یہ سوال پوچھا گیا تھا،

سائل کہتے ہیں کہ ان کی بیوی حمل کے ساتویں یا آٹھویں مہینے میں ہیں۔ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق بچہ جسمانی لحاظ سے انتہائی معذور پیدا ہو گا کیونکہ اس کا دماغ نمو پذیر نہیں ہو رہا اور نہ ہی بعد میں سر اور دماغ کے بڑھنے کا امکان ہے۔ پیدائش کے بعد بھی بچہ ساری عمر ہسپتال ہی کی امانت رہے گا، والدین کو صرف ہفتہ میں ایک دن بچے کو دیکھنے کی اجازت ہو گی کیونکہ بچہ نہ دیکھنے کے قابل ہو گا اور نہ ہی بات کرنے کے، گویا اس کی زندگی نری تکلیف میں گزرے گی، اب ڈاکٹر حضرات نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ اس کی اس طرح کی زندگی چاہتا ہے یا اسقاط حمل پر راضی ہو جاتا ہے۔

کونسل کے اور اسی طرح کئی فقہی اکادیمیوں کے فتویٰ کے مطابق ایک سو بیس (120) دن کے بعد اسقاط حمل ممنوع قرار دیا گیا ہے الا یہ کہ ماں کی جان خطرے میں ہو۔ تو مذکورہ حالت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ موضوع مزید تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔ فوری طور پر کونسل کے چند معزز اراکین کی آراء

درج کی جاتی ہیں جو اس مسئلہ میں رہنمائی کر سکتی ہیں:

1۔ مذکورہ اسباب قتل جنین کے جواز کے لیے کافی نہیں ہیں۔ والدین کے لیے یہ ایک امتحان ہے جس کا مقابلہ صبر اور ثواب کی امید سے کیا جانا چاہیے نہ کہ بچے کی جان لینے سے، ہم نے ایسے حالات دیکھے ہیں جن میں ولادت کے بعد بچے کی صحت میں قابل ذکر بہتری پیدا ہوئی ہے اور اللہ نے اسے پوری صحت سے نوازا ہے۔

2۔ جنین کی زندگی کا ہونا ایک قطعی امر ہے جب کہ ڈاکٹر کی آراء ظنی ہیں اور پھر ماں کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، اس لیے اسقاط حمل جائز نہیں ہے، ہم ایک ایسی حالت کا علم رکھتے ہیں کہ جس میں ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ بچہ معذور پیدا ہو گا لیکن اللہ کی قدرت دیکھیے کہ یہ بچہ اب قرآن کا حافظ ہے، ہم طب کی ناقدری نہیں کرتے، الحمدللہ کہ طب روز بروز ترقی کر رہی ہے، لیکن احتیاط لازم ہے۔

3۔ اگر ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ اس بچے کی وفات پا جانے کا زیادہ امکان ہے تو پھر ہمیں اپنے ہاتھوں اسے قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اس کی ماں کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، مجھے ان علماء کی رائے سے اتفاق ہے جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ حالات کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے کہ سب کچھ اللہ کے لیے کاف اور نون کے درمیان (یعنی کن) میں رہنے والا ہے۔ عین ممکن ہے کہ لمحے میں حالات کچھ سے کچھ صورت اختیار کر لیں۔

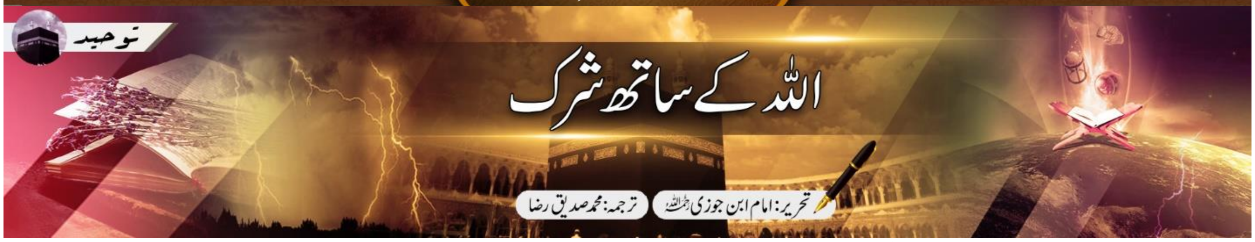
4۔ ہمیں اس مسئلہ کے ایک روحانی پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور وہ یہ کہ انسان اللہ تعالی کی تقدیر پر راضی ہو اور مصیبت کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرے، ﴿وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾(البقرة:216)"اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے خیر ہو۔"

﴿فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (سورة النساء:19) "اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت ساری خیر پیدا کر دے۔" تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس معذور بچے کے توسط سے اللہ اس کے والدین کے لیے خیر کا دروازہ کھولنا چاہتا ہو، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ اسے جیسے بھی اس دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے یہ اس کی مرضی ہے، وہ اس کا بھی خیال رکھے گا اور اس کے والدین کا بھی۔ اگر ولادت کے وقت اس کی وفات ہو جاتی ہے تو اللہ نے اس کے والدین کے لیے جنت میں ایک گھر کی خوشخبری رکھی ہے جسے 'بیت الحمد' کہا جاتا ہے اور اگر وہ زندہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے والدین کو اس کا خیال کرنے پر اجر عظیم سے نوازیں گے۔

ہمیں اس نفسیاتی اذیت کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس سے اگر اسقاط حمل کرایا جائے تو والدین بری طرح گزرتے ہیں۔ میرے علم میں ایسا ایک گھرانہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی نفسیاتی اذیت کا شکار ہو گئے تھے جب انہوں نے بچے کا اسقاط حمل کرایا تھا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک مسلمان تقدیر الٰہی پر راضی رہے، اپنی مشکلات پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، ثواب کی امید رکھے بجائے اس کے کہ وہ ایک نفس کی جان لے اور پھر ساری عمر نفسیاتی کشمکش اور ضمیر کی ملامت میں مبتلا رہے؟

مذکورہ آراء کے مطابق سائل کو فوری جواب دیا گیا ہے لیکن کونسل اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اس مسئلہ کی مزید تحقیق کی جائے اور چند ماہر ڈاکٹر حضرات کی آراء سے بھی استفادہ کیا جائے۔ (ف ک)



امام ابن الجوزی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ایک جلیل القدر شخصیت ہیں جن کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "الشيخ، الإمام، العلامة، الحافظ المفسر، شيخ الإسلام، مفخر العراق." (سیر اعلام النبلاء:21/365)

آپ کی بہت سی تصانیف عالم اسلام میں شائع و ذائع اور متداول ہیں، انہی میں ایک کتاب "تذكرة أولى البصائر فى معرفة الكبائر" ہے جس میں آپ نے کبیرہ گناہوں سے متعلق امت مسلمہ کو باخبر کیا اور ان کی قباحت وشناعت کو واضح کیا تاکہ لوگ ان سے اجتناب کی سعی وجہد کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے مستحق بن جائیں۔ ان میں "الكبيرة الأولى" کے عنوان سے آپ نے دین اسلام میں سب سے بڑے گناہ شرک پر بحث فرمائی ہے۔ ہر شخص کے ساتھ اختلاف کیا جاسکتا ہے سوائے امام کائنات فخر موجودات محمد ﷺ کے کہ آپ کی ہر بات وعمل سے اتفاق صرف ضروری ہی نہیں بلکہ شرطِ ایمان ہے۔ والله یوفقنا

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّـهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّـهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء:48)

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کی مغفرت نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو گناہ وہ چاہے بخش دے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان:13)

"یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّـهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّـهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (المائدۃ:72)

"جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے پھر اس حال میں مرے کہ وہ مشرک ہو تو وہ قطعی جہنمیوں میں سے ہو گا، اگرچہ اس نے کتنے ہی نیک اعمال کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے متعلق خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا﴾ (الفرقان:23)

"اور ہم اس کی طرف آئیں گے، انہوں نے جو کوئی بھی عمل کیا ہو گا ہم اسے بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔"

پھر اس (مشرک) کا قتل بھی مباح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ﴾ (التوبہ:5)

پس مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

[واضح رہے کہ یہ کام عوام نہیں بلکہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ دعوائے اسلام کے باوجود شرک میں مبتلا ہونے والوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں، رجوع نہ کرنے کی صورت میں ان کے خلاف اسلامی احکام کے مطابق برتاؤ کریں، جس طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ کے ساتھ جہاد کیا اس طرح ان کے ساتھ جہاد کریں۔ توحید کا مسئلہ بہر حال نماز وزکوۃ سے اہم ومقدم ہے۔ نیز محض کسی طبقہ یا گروہ سے تعلق ہی مجرم بنانے کے لیے کافی نہیں جب تک کہ فرد خاص سے جرم ثابت نہ ہو جائے، بلاشبہ بعض سنجیدہ اہل علم اور بکثرت عوام قبرپرستی کے شرک سے متنفر ومحفوظ ہیں، اس لیے محض کسی فرقے سے تعلق کی بنیاد پر انہیں اس جرم کے ساتھ متہم نہیں کیا جاسکتا مگر جو مبتلائے شرک ہیں ان کی روک تھام کے لیے تمام اسلامی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی ریاست کو اپنی ذمہ داری نبھانا از حد ضروری ہے۔ (محمد صدیق رضا)]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ» (صحیح بخاری:3017)

"جس کسی نے اپنا دین (اسلام) بدل دیا (یعنی اسلام کو چھوڑ کر کافر ہوا) اسے قتل کر دو۔"

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ ... إلخ»

"کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے متعلق نہ بتلاؤں؟ (پھر فرمایا:) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔۔۔ (صحیح بخاری:2654)

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ» (صحیح بخاری:2766)

"سات (7) ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔۔۔ الخ"

شرک کیا ہے؟

شرک یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ کے لیے کوئی شریک بنانا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ کسی

حجر، شجر، بشر یا چاند، سورج، ستارے یا کسی نبی علیہ السلام، جن یا فرشتے اور پیر وغیرہ کی عبادت کی جائے۔

قبر پرستی

دینِ اسلام کی طرف منسوب ہونے والے بعض جہال اپنی جہالت کی بنا پر ان امور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مشائخ میں سے کسی شیخ کی طرف منسوب ہیں، جیسے پیر احمد ابن الرفاعی (بانی سلسلۂ رفاعیہ) یا پیر یونس اور پیر عدی یا ان کے علاوہ کسی اور شیخ کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان پیروں کے ذکر ومحبت میں وارفتہ رہتے ہیں، ان کی قبروں پر (مجاوری اختیار کرتے ہوئے) معتکف رہتے ہیں، انہیں چومتے اور سجدہ کرتے ہیں، ان مشائخ سے مشکل کشائی کی فریادیں کرتے ہیں، بخشش اور اپنی حاجات وضروریات پوری کرنے کی درخواست وعرضیاں پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ قبر پرستی ہی بتوں کی پوجا میں مبتلا ہو جانے کی بنیاد بنی اور یہ قبر پرستی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

لات وعزیٰ

جن کی مشرکین عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسان ومخلوق تھے۔)

مجاہد، ابو صالح اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ﴾ میں لات کو تشدید کے ساتھ پڑھا اور اس کے متعلق کہا: یہ نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ فوت ہوا تو مشرکین نے اس کی قبر پر اعتکاف کیا اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

عزیٰ تو وہ ایک درخت (کو کہا جاتا) تھا، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے اسے کاٹ ڈالا۔ (مسند ابو یعلیٰ: 902، وسندہ حسن)

علماء نے یہ بھی بیان کیا کہ وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نیک لوگوں کے نام ہیں جو سیدنا آدم اور سیدنا نوح علیہما السلام کے درمیانی عرصہ کے لوگ تھے۔

امام محمد بن جریر الطبری اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ثوری نے موسیٰ سے اور انہوں نے محمد بن قیس سے نوح علیہ السلام کے اس قول: ﴿وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح: 23) کے متعلق فرمایا:

یہ سیدنا نوح اور سیدنا آدم علیہما السلام کے درمیانی دور کے نیک لوگ تھے، ان کے کچھ پیروکار تھے، جو ان کی اقتدا کیا کرتے تھے، جب یہ فوت ہوئے تو ان کی پیروی کرنے والے لوگوں نے کہا: کیوں نہ ہم ان بزرگوں کی تصاویر بنالیں، یہ طریقہ ہمیں عبادت کی طرف زیادہ شوق دلائے گا کہ جب بھی ہم انہیں یاد کریں گے پھر انہوں نے ان کی تصاویر بنالیں جب یہ تصاویر بنانے والے فوت ہو گئے اور ان کے بعد والی نسلیں آئیں تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی اور کہا کہ تمہارے یہ بڑے انہی کی عبادت کیا کرتے تھے۔ انہیں کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے، پھر بعد والے ان کی عبادت کرنے لگے۔

قتادہ نے کہا: یہ آلہہ (معبود) ہیں کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم جن کی عبادت کیا کرتی تھی پھر ان کے بعد عرب کے لوگوں نے بھی انہیں معبود بنا لیا، اس سے ظاہر ہوا کہ اولیاء وصالحین کی تصویروں کی (ناجائز) تعظیم ہی اوثان واصنام کی عبادت کی بنیاد بنی ہیں۔ اسی لیے شارع علیہ السلام نے قبروں کی تعظیم، وہاں نماز پڑھنے اور ان پر اعتکاف کرنے سے منع فرمایا، چونکہ اسی چیز نے گزشتہ امتوں کو شرک اکبر میں مبتلا کر دیا۔

اور اسی سبب سے ہم بعض ایسی گمراہ قوموں کو پاتے ہیں جن پر شیطان غالب آچکا ہے۔ وہ قبروں کے سامنے اور اپنے مشائخ کا تذکرہ سنتے وقت عاجزی وانکساری سے گڑگڑاتے رہتے ہیں اور دل سے خشوع وخضوع کے ساتھ ان کی ایسی عبادت کرتے ہیں جیسی عبادت نہ مساجد میں کرتے ہیں نہ ہی سحری کے سنہری اوقات میں اور ان گمراہ لوگوں میں سے کچھ لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے باسند صحیح یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَل قَبْرِي وَثَناً يُعْبَدُ، اشْتَدَ غَضَبُ الله عَلَى قَوْمٍ اتخذوا قُبُور أَنبِيَائِهِم مَسَاجِدَ»

"اے اللہ! میری قبر کو ایسا نہ بنانا کہ زمین میں اس کی عبادت کی جائے، اللہ کا سخت غضب ہو اس قوم پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔" (مسند احمد: 2/246، حدیث: 7358؛ مسند حمیدی: 1025، نسخہ ظاہریہ: 1031، وسندہ حسن)

(اس فرمان کے ذریعے سے) نبی ﷺ اپنی امت کو یہود ونصاریٰ کے طرزِ عمل سے ڈرا رہے تھے، جب (انبیاء علیہم السلام اور) آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ کرنے پر اس قدر شدید وعید ہے تو ان کے علاوہ ان مشائخ کو سجدہ کرنے سے متعلق کیا گمان کیا جا سکتا ہے (یعنی اس کی وعید کس قدر سخت ہو گی؟)

نبی کریم ﷺ نے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«لا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلا تُصَلُّوا إِلَيْهَا» (صحیح مسلم: 972؛ مسند احمد: 4/135)

"قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔"

اسی طرح اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے ان مشائخ سے فریادیں کرنا، ان کی قسمیں کھانا، ان کے تذکرے کے وقت رقت طاری کرنا جو کہ یہ

لوگ ذکرِ الٰہی اور آیاتِ قرآنیہ سنتے وقت بھی نہیں کرتے تو یہ امور بھی ممنوع ہیں۔

جس کسی نے غیر اللہ سے (مافوق الاسباب طور پر) مدد طلب کی جیسا کہ یہ مشائخ کے عشق میں دیوانے (متوالے) لوگ کہا کرتے ہیں۔ یاسیدی یا شیخ فلان (یاغوث پاک المدد، یا معین الدین چشتی وغیرہ وغیرہ) تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّـهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (سورة البقرة: 22) "پس اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بناؤ جبکہ تم جانتے ہو۔"

"أنداد" یعنی شرکاء جن سے تم مدد طلب کرتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إذا سألت فاسألِ اللّه ، وإذا استعنتَ فاستعِن باللّهِ »

"جب تو کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔"

(جامع ترمذی: 2516، وقال هذا حدیث حسن صحیح، وسندہ حسن)

جب کسی نے غیر اللہ سے مغفرت طلب کی یا اپنی حاجت برلانے کی درخواست کی یا (مافوق الاسباب طور پر) مدد طلب کی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، اسی طرح غیر اللہ کی قسم کھائی جیسے فلاں شیخ کی زندگی کی قسم، یا نبی ﷺ، کعبہ یا امانت کی قسم کھانا سخت منع ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا، تو فرمایا: "غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ، بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

« مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَشْرَكَ » (مسند احمد: 6072؛ جامع ترمذی: 1535؛ مستدرک حاکم: 4/297، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔)

"جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے کفر وشرک کیا۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَن حَلَف بالأمانةِ فليس مِنّا » (سنن ابو داؤد: 3253؛ وسندہ صحیح، ابن حبان: 4362؛ مسند احمد: 22980)

"جس کسی نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔"

نسائی نے قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون قتیلہ (رضی اللہ عنہا) کی سند سے بیان کیا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی حاضر ہوا اور کہا: آپ (کی قوم کے) لوگ شرک کرتے ہیں (جب یہ) کہتے ہیں کہ جو اللہ چاہے اور تم چاہو اور کہتے ہیں کہ کعبہ کی قسم، تو نبی ﷺ نے انہیں (صحابہ کو) حکم دیا کہ جب وہ قسم کا ارادہ کریں تو یوں کہیں: ربِ کعبہ کی قسم اور یہ کہیں کہ جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں۔" (سنن نسائی: 3804، وسندہ صحیح)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: «(إنّ) الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» (سنن ابی داؤد: 3883، وسندہ ضعیف / الاعمش مدلس وعنعن)

تِوَلَة: جادو کی ایک قسم ہے جو شوہر کے دل میں بیوی کی محبت پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

تمائم: تمیمہ کی جمع ہے یہ وہ منکا ہے جو بچے کے گلے میں اس زعم سے لٹکاتے ہیں کہ یہ نظر بد کو ٹالتا ہے۔ (یہ زعم باطل ہے۔)

اسی طرح اعمال میں ریاکاری، نیک عمل کا مقصد لوگوں کو دکھلانا یا یہ مقصود ہو کہ اس کے متعلق یہ کہا جائے: نیک آدمی ہے یا بڑا دیندار ہے اور اس کی تعریفیں کی جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (سورة الکھف: 110)

"آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے تمہارا الٰہ تو بس ایک الٰہ ہے، پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے، اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔"

تو لوگوں کو دکھلانے کے لیے اعمالِ صالحہ کرنا شرک اصغر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ «أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنْ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ لِي عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيْ غَيْرِي فَهُوَ لِلَّذِيْ أَشْرَكَ، وَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ» (صحیح مسلم: 2985؛ مسند احمد: 7999؛ سنن ابن ماجہ: 4302)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شریک ٹھہرانے والوں کے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو کوئی ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

اور صحیح مسلم میں ایسے تین لوگوں کے بارے میں حدیث ہے کہ جو اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے، قرآن کا قاری، مجاہد اور سخی، اس لیے کہ ان کی قراءت، جہاد اور سخاوت لوگوں کو دکھلانے کے لیے ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر اس شرک سے محفوظ رکھے کہ جسے ہم جانتے ہیں اور جسے ہم نہیں جانتے، اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، یقیناً وہ اللہ سخی کریم ہے۔ (الکبیرۃ الاولیٰ ختم ہوا۔)

یادرفتگان

جماعت اہلحدیث ہند کا ایک درخشاں ستارہ
مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ

محمد عبدالہادی العمری

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ کا ایک وفد جماعت اہلحدیث کی تنظیمی اور جماعتی استحکام کی غرض سے 1979ء انڈیا کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا، اس کے روح رواں مشہور سلفی عالم اور متحمس داعی الشیخ عبد الصمد الکاتبی رحمۃ اللہ علیہ ملیباری تھے جو اصلاً کیرالہ کے تھے اور ایک عرصہ سے مدینہ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سر انجام دے رہے تھے۔ وفد میں ڈاکٹر شیخ محفوظ سلفی رحمۃ اللہ علیہ اور بھائی عبدالوہاب خلجی رحمۃ اللہ علیہ نمایاں تھے، یہ ایک غیر سرکاری قسم کا نجی دورہ تھا، اس دورہ میں جماعت کی ترقی کے لیے ہنگامی نوعیت کے فیصلے کئے گئے اور انقلابی منصوبے بنائے گئے۔ ''لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' جمعیت اہلحدیث ہند کا تنظیمی کام بہت زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، اراکین وفد اپنے ارادوں اور منصوبوں میں مخلص ضرور تھے لیکن ان کا ٹھکانہ ہندوستان نہیں بلکہ سعودی عرب میں تھا اور ملک میں موجود سرکردہ جماعتی احباب وہ کسی بھی تنظیمی یا جماعتی ڈھانچہ میں تبدیلی کو آسانی سے قبول کرنے کے لیے امادہ نہیں تھے۔ یہ اور بات ہے کہ جماعتی ترقی کے سب ہی خواہاں تھے، گویا گھر کی بوسیدہ عمارت ہی کو باقی رکھتے ہوئے وہ عمارت کی مضبوطی یا خوبصورتی چاہتے تھے جبکہ وفد کے اراکین اور ملک میں موجود جماعتی نوجوان عمومی طور پر سمجھتے تھے کہ قدیم عمارت کے انہدام کے بغیر نئی مضبوط بلڈنگ تعمیر نہیں کی جاسکتی اور کچھ لوگ دونوں کے درمیان صالح قدیم اور نافع جدید کے امتزاج کے قائل تھے کہ ہمیں درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے اعتدال کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے۔ جماعت سے وابستہ بڑوں کا مقام و مرتبہ اپنی جگہ رہے اور نوجوانوں کے جذبات بھی نظر انداز نہ ہوں، اسی کشمکش میں وفد تو واپس چلا گیا لیکن جماعتی حلقوں میں ایک ہلچل مچی رہی، پھر بھائی خلجی مدینہ منورہ سے مستقل طور پر ہندوستان واپس تشریف لے آئے اور راجدھانی دھلی کو ہی اپنا مسکن بنالیا۔ انہیں جماعت کی اہم ذمہ داریاں تفویض کی گئیں، پہلے قائم مقام ناظم اعلیٰ اور پھر ناظم اعلیٰ بنا دیا گیا۔ انہوں نے ملک کے طول وعرض کے ہنگامی دورے کیے، اخبارات اور میڈیا سے بھی فائدہ اٹھایا، یوں جماعت کے رکے ہوئے دریا میں بہاؤ بڑھ گیا، اور چہل پہل دکھائی دینے لگی ورنہ میڈیا سے جماعت کا تعلق بہت کمزور تھا۔ نوجوانوں میں کام کرنے کا شوق بڑھتا گیا، اس وقت تحریک شباب اہل حدیث زوروں پر تھی، نوجوانوں کا اصرار تھا کہ جماعت کی جانب سے ان کے لیے ایک ایسا پلاٹ فارم مہیا کیا جائے، جہاں سے وہ اپنی دینی اور دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں اور اس مطالبہ میں وہ نئے نہیں تھے، کئی تنظیمیں پہلے ہی سے اس پر گامزن تھیں، مختلف تنظیموں میں یوتھ کا شعبہ علیحدہ سے قائم تھا، پاکستان میں علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ کے دست وبازو اور ہر اول دستہ اہلحدیث یوتھ فورس ہی تھے۔ اس وقت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے باک تقریروں کی گھن گرج انڈیا کے دیہات اور قریوں تک پہنچ رہی تھی۔ لیکن بوجوہ اس فکر کی تائید کہ نوجوانوں کے لیے علیحدہ شعبہ قائم کیا جائے، جماعتی حلقہ سے خاطر خواہ نہیں ہو رہی تھی، بڑوں کو اعتراض تھا کہ ایک ایسی جمات جو دینی، دعوتی اور تعلیمی نوعیت کی ہے، وہاں عمر کی بنیاد پر تقسیم اور تفریق مناسب نہیں، سب کو ایک ہی پلاٹ فارم سے کام کرنا چاہیے، ان ہی دنوں میں کیرالہ کے علاقہ کٹی پورم میں جنوری 1987ء کو وہاں کی ایک مشہور سلفی تنظیم ندوۃ المجاہدین کے زیر اہتمام ایک اہم تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں حاضری کا اندازہ پانچ لاکھ تک لگایا گیا، اس کانفرنس میں بھائی خلجی کافی متحرک دکھائی دے رہے تھے، سہ روزہ کانفرنس میں راقم کو دو مرتبہ تقریر کرنے کا موقع ملا، اس موقع پر مختلف علاقوں سے آئے ذمہ داران جماعت کے ساتھ کچھ تنظیمی نشستیں بھی ہوئیں اور شبان اہلحدیث کے خیال کو مہمیز لگی۔ دہلی کی تنظیمی زبوں حالی پر بھی گفتگو ہوئی اور ایک وفد تشکیل دیا گیا تاکہ بنارس جائے اور امیر محترم مولانا عبد الوحید رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرے، جو اس کانفرنس میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ اس وفد میں راقم کا بھی نام تھا لیکن بوجوہ یہ وفد مقررہ تاریخ بنارس نہیں پہنچ سکا، البتہ بعد میں راقم نے بنارس کا سفر کیا اور محترم امیر جماعت کے ساتھ تفصیلی بات چیت ہوئی، امیر محترم نے کچھ تنظیمی ذمہ داریاں راقم کو تفویض کرنا چاہا لیکن اس کی انجام دہی کے لیے مجھے دہلی جانا اور وہاں قیام کرنا ضروری تھا اور بمبئی میں مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ادارہ اصلاح المساجد کی مجلس عاملہ کی اہم میٹنگ بلا رکھی تھی، اس میں خصوصی طور پر راقم کو مدعو کیا گیا تھا، اگرچہ کہ میں اس کا رکن نہیں تھا، خود امیر محترم بھی رکن عاملہ کی حیثیت سے اس میں بنارس سے شرکت کرنے والے تھے۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی پچھلے سو سال میں ہندوستان میں شاید نظیر نہ ملے، اس ادارہ کا سہ جہتی کام تاریخ ہند میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ حاملین قرآن وسنت کی زیر نگرانی نئی مساجد کی تعمیر، قدیم مساجد کی اصلاح و مرمت اور مصلین مساجد کی دینی اور روحانی تربیت کے لیے تعلیم

الاسلام کے حلقات، ادارہ کی زیر نگرانی اس وقت یعنی 1987ء تک تقریباً تین سو سے زیادہ ملک کے مختلف علاقوں میں شاندار مساجد تعمیر کی جا چکی تھیں۔ ان میں بیشتر ایسی مساجد تھیں جو مولانا مختار احمد رحمہ اللہ کی نگرانی نہ ہوتی تو ان علاقوں میں اس نوعیت کی تعمیر ناممکن نہ سہی محال ضرور تھی، یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہماری اکثر مساجد روشنی اور وضوخانوں سے بھی محروم تھیں، تعمیر مسجد کے بعد اسے چھوڑ نہیں دیا جاتا بلکہ نمازیوں کی تربیت کا ایک جامع پروگرام بنایا گیا تھا، اور امام یا مدرس جو حلقہ کا نگران ہوتا، اسے ادارہ کی جانب سے مناسب معاوضہ بھی دیا جاتا، تعمیر مساجد کا یہ بیڑہ تاریخ اہلحدیث ہند میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اب صورتحال خاصی بدل چکی ہے، صرف حیدرآباد دکن میں دو سو سے زیادہ اہلحدیث مساجد ہیں۔ میں جب اس اجتماع میں شرکت کے لیے بمبئی پہنچا، مولانا مختار رحمہ اللہ کے غیر متوقع حکم کا سامنا کرنا پڑا کہ کچھ دن یہیں رک جاؤ، تاکہ ادارہ کے اہم امور نمٹائے جا سکیں، مولانا کے انقلابی پروگرام اور سماجی شخصیت کے ساتھ تعلق خاطر کچھ ایسا تھا کہ انکار یا معذرت کی ہمت نہیں ہوئی، البتہ اتنی گذارش کر سکا کہ آپ ہی امیر محترم کو بھی اس تبدیلی سے مطلع فرمائیے جو مولانا نے کہا۔ امیر محترم کو یہ تبدیلی زیادہ پسند تو نہیں آئی، کہ دھلی کے بجائے بمبئی میں قیام کروں مگر انہوں نے سکوت اختیار کر لیا، بالآخر تقریباً دوماہ مجھے بمبئی میں قیام کرنا پڑا، مساجد کا یہ کام اور سلفی منہج پر مشتمل کتابوں کو مفت گھر گھر پہنچانے کا منصوبہ، نیز باصلاحیت علماء کی کھیپ تیار کرنے کی کوشش یقیناً مولانا ندوی کے حق میں صدقہ جاریہ ثابت ہو گی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اس ادارہ کی سرگرمیوں کا تذکرہ علیحدہ سے مفصل مضمون کا متقاضی ہے۔ بہرحال شبان اہلحدیث کو منظم کرنے کے لیے 19 فروری 1987ء میں پہلا اہم دستوری اجلاس دہلی میں منعقد ہوا، جن میں شیخ عطاء الرحمٰن مدنی، شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی بریلی، شیخ احسن جمیل مدنی بنارس اور راقم نے دستور ساز کمیٹی کے ارکان کی حیثیت سے شرکت کی، اس اجلاس اور اس کے متعلقہ جملہ امور کی نگرانی بھائی خلجی دل وجان سے کر رہے تھے۔ اس وقت ان کی کیفیت کچھ ایسی تھی

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

ہر طرف ایک ولولہ اور ہلچل سی محسوس کی جا رہی تھی، بڑی محنت سے ابتدائی مسودہ تیار کیا گیا لیکن افسوس کہ یہ کام کمیٹی کی خواہش کے باوجود زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، اس کی تفصیل اس وقت مناسب نہیں لگتی، لیکن بھائی خلجی نے ہمت نہیں ہاری

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

انہوں نے جماعت کو منظم اور متحرک کرنے کے لیے مختلف صوبوں اور شہروں کے طوفانی دورے کیے، دھلی کے مرکزی دفتر کو مرکزیت دینے کے لیے کٹھن حالات میں بڑی ہمت سے کام کیا، ورنہ مرکزی بلڈنگ کو قابضین کے تسلط سے واگذار کرانا آسان نہیں تھا۔ مختلف صوبوں کے ساتھ روابط بڑھائے، مرکز اور صوبوں کے درمیان رابطہ عموماً موسمی قسم کا تھا کہ جلسوں یا خاص مناسبتوں کی حد تک۔ لیکن وسیع ملک میں پھیلی جماعت کی منتشر کڑیوں کو مضبوط لڑی میں پرونے کے لیے وسائل اور وقت درکار ہوتا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ جماعت کے اہم ذمہ دار بھی مرکز دہلی میں سوائے خاص مناسبتوں کے ایک جگہ جمع نہیں ہوتے، اگر ہر ایک مرکز سے دور اپنے اپنے کاروبار زندگی میں مصروف ہو تو تنظیمی استحکام ممکن نہیں، خصوصاً ان دنوں سہولتیں بھی محدود تھیں، اہم ذمہ داروں کے درمیان رابطہ کی شکل صرف فون یا ڈاک ہی تھے، فون کی بھی سہولت اس وقت سب کو میسر نہیں تھی، اسی سے مرکزی دفتر کی کارکردگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، منتخب قائدین کی حیثیت عموماً تبرک یا برائے نام رہ جاتی ہے اور تنظیمی گاڑی کا اسٹیرنگ کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا ہے یا پھر بغیر کسی حرکت کے گاڑی رکی رہتی ہے، ہر صورت میں خسارہ جماعت اور اجتماعیت کا!

اگرچہکہ بھائی خلجی کا آبائی وطن پنجاب کا علاقہ مالیر کوٹلہ تھا، سن 1954ء اسی علاقہ میں ان کی پیدائش ہوئی، دھلی کو انہوں نے اپنا مسکن بنایا، مگر دیگر عہدیداران وہاں نہیں رہتے تھے، لہٰذا امارت اور نظامت کے درمیان خلیج تو حائل رہی، وہ اپنی حد تک کوشش کرتے رہے، جماعت کے علاوہ مختلف دینی، سماجی اور ملی تنظیموں میں بھرپور شرکت کر کے جماعت کی نمائندگی کرتے، مختلف تنظیموں میں انہیں مستقل رکن کی حیثیت سے مدعو کیا جاتا رہا، مسلم پرسنل لاء بورڈ، ملی کونسل وغیرہ وغیرہ۔ راجدھانی کی سیاسی شخصیات کے ساتھ بھی روابط استوار کر رکھے تھے، ان کی ہمہ جہتی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جولائی 2008ء ان کی صاحبزادی کی تقریب شادی میں شرکت کے لیے دھلی کی چیف منسٹر شیلا ڈکشت حاضر ہوئی تھیں، خطبہ نکاح کے فرائض مشہور عالم دین ڈاکٹر الشیخ وصی اللہ عباس مکہ مکرمہ نے انجام دیے، راقم برطانیہ سے براستہ دھلی حیدرآباد جاتے ہوئے اسی وقت پہنچا تھا، چونکہ دھلی میں مختصر قیام تھا، صرف چند احباب کو اطلاع تھی، پتہ نہیں موصوف کو کیسے علم ہوا کہ قیام گاہ کا پتہ ڈھونڈ نکالا اور شادی میں شرکت کا حکم صادر کیا، ظاہر ہے کہ اس پُر مسرت تقریب میں عدم شرکت کی معذرت قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی، جبکہ میں دھلی میں ہی تھا، جلدی سے تیاری کی، شادی خانہ پہنچا، وہاں دوست احباب کا وسیع حلقہ جمع تھا، یہ میرے لیے بہترین موقع ثابت ہوا کہ کئی احباب سے اکٹھی ملاقات ہو گئی لیکن پیار بھری شکایات کا بھی سامنا کرنا پڑا کہ اس دورہ کی پیشگی اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔

موصوف نے مرکز کو متحرک کرنے کے لیے کئی منصوبے بنا رکھے تھے، دھلی میں رہتے ہوئے ان کا ایک پروگرام یہ تھا کہ مختلف علمی اور فکری شخصیتیں سرکاری، کاروباری اور نجی ضروریات سے یہاں آتی رہتی ہیں، ان کے ساتھ افادہ

واستفادہ کی بہترین شکل نکل سکتی ہے، راجدھانی میں رہتے ہوئے ان شخصیات کو مرکز میں مدعو کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ابتدائی کچھ پروگرام بھی رکھے گئے مگر یہ سلسلہ دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔

ان کا ایک منصوبہ تھا کہ ملک میں پھیلے متعدد دینی مدارس، علماء اور اساتذہ کے درمیان رابطہ سے بہترین ثمرات حاصل کیے جاسکتے ہیں، درسگاہوں کے درمیان مقررہ نصاب اور تعلیمی سرگرمیوں میں مماثلت ہونی چاہیے، اس کے لیے کوششیں بھی کی گئیں، مگر اندازہ ہوا کہ اگر یہ اقدام اہل مدارس ہی کی طرف سے ہو تو زیادہ نتیجہ خیز ہو سکتی ہے، کیونکہ دینی مدارس اور جماعت کے تنظیمی تقاضے مختلف ہیں۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کی دعوت پر دوبار سالانہ کانفرنس میں بطور مہمان مقرر تشریف لے آئے، یہاں کے مختلف شہروں میں کامیاب دورے اور پروگرام ہوئے، موصوف پنجابی زبان سے بھی واقف تھے اور یہاں پنجابی بولنے والوں کی بڑی تعداد ہے، اس لیے بھی ان کے لیے یہاں کی فضا مانوس سی ثابت ہوئی، ان کا پہلا تعلق تو جماعتی اور مسلکی تھا لیکن زبان کی انسیت کے سبب مختلف احباب ان کے ساتھ گھل مل گئے کہ دھلی سے تشریف لانے والے فاضل مقرر پنجابی بھی روانی کے ساتھ بول رہے تھے۔

پھر بلاد عرب خصوصاً سعودی عرب میں کئی کئی کانفرنسوں میں ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

انڈیا میں منعقد ہونیوالی چند یادگار کانفرنسوں میں موصوف کے ساتھ شرکت اور خطاب کے مواقع میسر آتے رہے، چند کا ذکر کیے دیتا ہوں، کیرالہ میں منعقد ہونے والی کانفرنس کا ذکر کر چکا ہوں۔

اپریل 1995ء میں شمالی ہند کے مردم خیز تاریخی شہر مئو میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان ہوا، اس وقت امیر جماعت محترم مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ تھے اور بھائی خلجی ناظم اعلیٰ، امیر محترم کا مجھے فون آیا کہ شرکت کرنی ہے، میرے لیے باعث تشویش بات یہ تھی کہ گرمی کے موسم میں وہاں کانفرنس کیونکر کامیاب ہوگی، لیکن مولانا نے غلط فہمی دور کرتے ہوئے بتایا کہ اس علاقہ میں گرمی کی شدت مئی اور جون میں ہوتی ہے، اپریل نسبتاً خوشگوار رہتا ہے۔ بنارس سے مئو تک کا علاقہ علمی اور صنعتی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مئو کے کئی علماء نے براہ راست شیخ الکل فی الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، راقم کے کئی اساتذہ کا یہ وطن رہا ہے، اس مختصر سے شہر میں جماعت کی متعدد درسگاہیں موجود ہیں، مدرسہ عالیہ، فیض عام، دار الحدیث اثریہ وغیرہ وغیرہ، جہاں عالمیت اور فضیلت تک کی مکمل دینی تعلیم کا نظم ہے۔ بنارس سے یہاں تک کپڑے کی صنعت عام ہے، اسی شہر کے گرد ونواح مشہور محدث علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، علامہ عبید اللہ مبارکپوری صاحب مرعاۃ المصابیح اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب الرحیق المختوم وغیرہ وغیرہ نابغہ روزگار ہستیاں رہتی تھیں۔

علاقہ کی اہمیت کے باوجود جنوبی ہند کے رہنے والوں کی اکثریت کے لیے بنارس سے آگے یہاں تک کا علاقہ نیا تھا، کیونکہ یہ ان کی گزرگاہ میں نہیں، اس لیے جنوب کے بیشتر شرکاء کانفرنس کے لیے اس علاقہ کا یہ پہلا سفر تھا، ان کا پہلا پڑاؤ بنارس تھا، یہاں کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ کے دروازے ان مہمانوں کے لیے کھول دیے گئے تھے، یوں اس سفر کی برکت سے کئی جماعتی درسگاہوں اور شہروں کی زیارت کا موقع ملا اور اسے بھی حسن اتفاق کہئے کہ متحدہ ہندوستان میں ستر سال قبل مئو ہی میں کل ہند کانفرنس مشہور محقق علامہ قاضی سلیمان منصورپوری رحمۃ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی، یوں ستر سال بعد اہل مئو کو دوبارہ یہ اعزاز حاصل ہوا، اسی کو اردو زبان کے مایہ ناز اسلام پسند شاعر فضا ابن فیضی نے اپنی شاندار استقبالیہ نظم میں ذکر کیا، شاعر موصوف بھی اسی شہر مئو کے باشندہ تھے، چھوٹے

نہ تمہارے ہاتھوں سے اسلاف کا داماں ائے لوگو
پھر آئے ہیں ستر سال پہ یہ ایام بہاراں ائے لوگو
قرآں کی بلاغت پاروں کی تعلیم ہمارا مسلک ہے
مشکوٰۃ وبخاری کے فن کی تفہیم ہمارا مسلک ہے
اسلامی عقائد کے فن کی سچی تقدیم ہمارا مسلک ہے۔

اور اسے بھی حسن اتفاق کہیے کہ جس کا ذکر بھائی خلجی نے اپنی تقریر میں کیا کہ ستر سال قبل کانفرنس کی صدارت اردو زبان میں سیرت النبی ﷺ پہ لکھی جانے والی جامع اور تحقیقی کتاب رحمۃ للعالمین کے مصنف نے کی اور آج اس کانفرنس کے صدر اس کتاب کو عربی زبان میں مزید سلفی منہج کی کتابوں کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کر کے عام کرنے والی شخصیت مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ ہیں، اور کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے نگران ممتاز عالم دین مشہور مصنف ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمۃ اللہ جنرل سیکرٹری جامعہ سلفیہ بنارس ہیں، جنہوں نے اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا، گویا پون صدی گزرنے کے باوجود مسلک اور جماعت کے شیدائیوں کا سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ تحقیقی اور تصنیفی رشتہ باقی ہے۔ ماضی سے حال کو مربوط کرنے والا خلجی صاحب کا یہ جملہ شرکاء کی جانب سے خوب سراہا گیا۔

ڈاکٹر ازہری نے اردو کی بعض اہم کتابوں کا جیسے رحمۃ للعالمین، مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ کی کتاب تحریک آزادی فکر وغیرہ کا جدید اسلوب میں عربی ترجمہ کر کے عالم عرب کو باور کرایا کہ اہل علم وفکر کی اردو دان حلقہ میں کمی نہیں، اساطین علم وفکر کی اردو کاوشوں کو عربی زبان میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

جھاڑکھنڈ کے علاقہ پاکوڑ میں 13، 14، 15 مارچ 2004ء کل ہند اہلحدیث کانفرنس منعقد ہوئی، یہ کانفرنس جماعتی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، حاضری لاکھوں میں تھی، قرب وجوار، قریہ ودیہات اور دور دراز علاقوں سے قرآن

وسنت کے شیدائی پروانوں کی شکل میں امنڈ پڑے تھے، کانفرنس کے بعد واپسی کے موقع پر حج کے قافلوں کا سماں تھا، تاحد نگاہ لوگ ہی لوگ دکھائی دے رہے تھے، مقامی لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھے پسماندہ علاقہ کے اس منظر کو اپنی آنکھوں میں نقش کررہے تھے، پاکوڑ کلکتہ اور کشن گنج بہار کے درمیان واقع ہے، اس علاقہ میں یہاں اہلحدیثوں کی تعداد قابل قدر اور باعث رشک ہے، لیکن اتنے دور دراز علاقہ کا اس اعلیٰ سطحی کانفرنس کے لیے انتخاب منتظمین کے لیے دشواریاں پیدا کررہا تھا، جہاں شرکاء اور سامعین کا ہجوم قابل قدر ہو وہاں دیگر انتظامی مسائل بڑھتے جاتے ہیں، ان کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات کے انتظامات ایک چیلنج سے کم نہیں، بڑے شہروں میں بہت سے کام بذریعہ فون حل ہو جاتے ہیں، آمدورفت کے مسائل پر بڑی حد تک لوگ خود ہی قابو پالیتے ہیں اور بیشتر امور میں شرکاء اور مہمان ایک لحاظ سے خود کفیل ہوتے ہیں، اگرچہ مولانا اصغر علی امام مہدی ناظم اعلیٰ اور مولانا مقیم فیضی رحمہ اللہ اپنے مقامی اور مرکزی رفقاء کے ساتھ مقدور بھر کوشش کر رہے تھے لیکن لوگوں کی کثرت کے سامنے یہ کوشش دھری کی دھری رہ گئی، مہمانوں کی آمد کے ساتھ ساتھ رہائشی کمروں کی قلت محسوس ہوتی گئی، ہمارے لیے منتظمین نے ایک کمرہ محفوظ کر رکھا تھا، ہم چار افراد شیخ ڈاکٹر وصی اللہ، بھائی عبد الوہاب خلجی جو اس کانفرنس میں سابق ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے شرکت کررہے تھے، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور راقم نے اس کمرہ میں قبضہ جمایا، کمرہ میں پڑی ڈبل سائز بیڈ پر شیخ وصی اللہ اور راقم نے آرام کیا، صوفہ پر بھائی خلجی اور فرش پر ڈاکٹر ثاقب تولیہ بچھا کر دراز ہوگئے۔

محترم خلجی صاحب نے اس وقت کے امیر جمعیت حافظ محمد یحییٰ رحمہ اللہ سے مہمان مقررین کی اس حالت پر شدید احتجاج کیا، میں نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس مسئلہ کو نظر انداز کرنے پر زور دیا کہ پسماندہ علاقہ میں اس سے بہتر انتظامات کی گنجائش زیادہ نہیں تھی، دیگر احباب سے ملاقات کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ اکثر مقررین ملتی جلتی صورتحال سے دوچار ہیں، ڈاکٹر شیخ لقمان سلفی رحمہ اللہ کی تقریر بھی پوری طرح نہیں ہو سکی، جس کی انہوں نے اسٹیج ہی پر شکایت کی، وہ اسی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سعودیہ سے تشریف لائے تھے اور جلد انہیں واپس لوٹنا تھا۔

شیخ عبد المتین سلفی رحمہ اللہ کشن گنج سے آئے ہوئے تھے، وہ ہم چاروں ہم کمرہ رفقاء کو دوسرے گاؤں کے کسی تاجر کے ذاتی مہمان خانہ لے گئے، یہاں عمدہ سہولتیں میسر تھیں لیکن اس جگہ رہتے ہوئے کانفرنس سے استفادہ مشکل تھا، لہٰذا یہاں ایک ہی رات بسر کرکے ہم اپنے ہی ٹھکانہ واپس آگئے کہ کسی صورت کانفرنس میں ہماری کمی نہ محسوس ہو۔

نیپال کی ہر دلعزیز اور ولولہ انگیز شخصیت مولانا عبد اللہ جھنڈا نگری رحمہ اللہ کے ساتھ بھائی خلجی کے تعلقات دینی، جماعتی اور دوستانہ نوعیت کے تھے، ان کی آپس میں ساجھے داری تھی، انہوں نے انڈیا، نیپال کے سرحدی علاقہ جھنڈا نگر میں اہم کانفرنس کا اعلان کیا، اس میں شرکت کا مجھے گویا حکم دیا۔ میں نے وعدہ کر لیا۔ 7/اپریل 2011ء کانفرنس کا دن تھا، بھائی خلجی کی طبیعت ناساز چلی آ رہی تھی لیکن موصوف کو مسلکی محبت وہاں تک کھینچ لے آئی، جبکہ ہم سمجھ رہے تھے کہ شاید وہ معذرت کر دیں گے جس کا انہیں پورا حق تھا، اور معذرت قبول بھی کر لی جاتی، "والعذر عند کرام الناس مقبول" میں نے دیکھا کہ ان پر کمزوری غالب آ چکی تھی، مختلف امراض کے اثرات نمایاں تھے، یہاں پہلی بار ان کے ہاتھ میں عصائے پیری دیکھ کر تعجب ہوا، کیونکہ ہم عمر ساتھیوں کے درمیان وہ نسبتاً تندرست اور صحتمند سمجھے جاتے تھے۔

ناشتہ کے موقع پر انہوں نے خاصی مقدار میں بطور دوا کئی گولیاں کھائیں، رات کا پروگرام تھا۔ خطاب میں بتایا کہ مکہ مکرمہ کے سفر کے دوران اعصابی بیماری کا جو حملہ ہوا تھا، ابھی تک سنبھل نہیں سکا، لیکن جھنڈا نگر کی دعوت کو رد نہیں کر سکتا تھا، میں نے گھر والوں سے کہہ رکھا تھا کہ اگر شدید بیمار ہو جاؤں تب بھی مجھے ٹرین میں بٹھا کر روانہ کر دینا لیکن معذرت نہ کرنا۔ تقریر کے دوران انہوں نے محسوس کیا کہ نقاہت کچھ زیادہ ہو رہی ہے۔ زبان بھی بے قابو ہوئے جا رہی ہے۔ لہٰذا گفتگو سمیٹ کر جلد ہی بیٹھ گئے، ورنہ جوش وجذبات سے بھرپور ان کی تقریریں ہوا کرتی تھیں۔

یہ موصوف کے ساتھ کسی کانفرنس میں میری شرکت اور خطاب کا آخری موقع تھا، چند اجتماعات کا ذکر کرتے ہوئے میری کیفیت یہ ہے:

کتنی یادوں کے چراغ جلے اور بجھے

اگرچہ کہ ہر بیماری اپنی جگہ تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن کچھ امراض زیادہ پریشان کن ہوتے ہیں، بھائی خلجی پر جو بیماری حملہ آور ہوئی وہ اعصابی کمزوری اور فالج کا اثر تھا، ایک سفر کے دوران مکہ مکرمہ میں یہ لاحق ہوئی، علاج معالجہ میں تو کوتاہی نہیں کی گئی لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" دن بدن صحت متاثر ہوتی گئی، دھلی نرسنگ ہوم میں داخل کروایا گیا۔

3/اپریل 2018ء تریسٹھ (63) برس کی عمر میں اپنے پیچھے مسلک وملت کی تڑپ کے انمٹ نقوش چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا، "جانے والے کبھی نہیں آتے جانے والوں کی یاد آتی ہے۔"

اللہ عزوجل اپنے فضل وکرم سے صدیق محترم کی مغفرت فرمائے، ان کی بشری لغزشوں کو معاف کرے، جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔

دینی کتابوں کی اشاعت اور اپنی معاشی ضروریات کے لیے الدار العلمیہ قائم کیا تھا۔ مختلف کتابیں اپنی نگرانی میں شائع بھی کروائیں، لیکن خلجی صاحب کا بیشتر وقت دفتری امور کی انجام دہی میں صرف ہو جاتا، اپنے ادارہ کے لیے زیادہ وقت دے نہیں سکتے تھے اور تجارتی ادارے باقاعدہ وقت اور توجہ کے بغیر کامیابی سے چل نہیں سکتے یہی کچھ ان کے تجارتی ادارہ کا بھی حال تھا۔ اللہ ان کی باقیات صالحات کا بہترین بدلہ دے۔

عمدة الأحكام

کتاب الطھارۃ: طہارت و پاکیزگی کی کتاب

فضل الرحمن خطیب وامام محمد مسجد نیلسن یو کے

(قسط 3)

حدیث نمبر:7

عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضي اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ مِنْ إِنَائِهِ، فَغَسَلَهُمَا ثَلاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْوَضُوءِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاثًا، وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ كِلْتَا رِجْلَيْهِ ثَلاثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، وَقَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ - لا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ - غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

بِوَضُوْءٍ: الوَضوءُ بفتح الواو، معناه الماء الذي يتوضأ به، وبضمها فعل الوضوء.

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت حمران بن ابان رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ بے شک انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کا پانی منگوایا، پھر اس برتن سے اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیلا اور اپنے ہاتھوں (پہنچوں کو کلائی سے پیچھے والا ہاتھ) کو تین بار دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ وضو کے پانی کے برتن کے اندر ڈالا پھر آپ نے کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا اور ناک کو جھاڑا، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دونوں پاؤں کو تین بار دھویا، پھر کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو وضو کرتے دیکھا جیسے یہ میرا وضو ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں ادا کیں اور ان دونوں رکعتوں میں اس کو اپنا ذاتی کوئی خیال نہ آیا، اللہ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیں گے۔ (صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب المضمضة فی الوضوء، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب صفة الوضوء وکماله)

حدیث مبارکہ کی مختصر تشریح اور اس سے اخذ ہونے والے بعض مسائل:

① وضو کی تعلیم کا اہتمام کرنا۔

② کسی کو اس لیے دیکھنا تا کہ اس کے عمل صالح کو دیکھ کر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی تعلیم دے۔

③ کسی دوسرے سے خدمت وغیرہ لینا۔

④ ایک عمل کی بعض چیزوں کو حدیث میں ذکر اور بعض کا عدم ذکر ہونا اور عدم ذکر سے عدم الشیئ کے لازم نہ ہونا کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں وضو کی بعض چیزیں ذکر نہیں ہوئیں تو اس حدیث کی وجہ سے ان بعض چیزوں کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دوسری احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی ہیں مثلاً کلی اور ناک میں پانی چڑھانے اور جھاڑنے کی تعداد کا ذکر نہ ہونا، ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کی تعداد کا ذکر نہ ہونا، کانوں کے مسح کا ذکر نہ ہونا، پاؤں میں سے پہلے کس کو دھویا جائے اس کا ذکر نہ ہونا، ٹخنے کے دھونے کا ذکر نہ ہونا۔ وغیرہ وغیرہ

⑤ ہاتھوں کو دھوئے بغیر کسی برتن میں داخل نہیں کرنے چاہئیں۔

⑥ اگر برتن وغیرہ کے اندر ہاتھ داخل کر کے وضو کرنا پڑے تو افضل یہ ہے کہ پانی میں دایاں ہاتھ داخل کیا جائے اور اس سے پانی باہر نکالا جائے۔

⑦ وضو کے اعضاء کو دھونے کی زیادہ سے زیادہ تعداد تین ہے۔

⑧ کلی اور ناک کو صاف کرنے کے لیے ایک ہی بار پانی لینا، اس آدھے چلو سے کلی کرنا اور آدھے سے ناک میں چڑھانا سنت ہے۔

⑨ وضو کے اعضاء کو ترتیب سے دھونا۔

⑩ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا اور ہاتھوں کی ابتدا انگلیوں کے پوروں سے ہوتی ہے۔

⑪ سر کا مسح ایک بار کرنا۔ صحیح حدیث کے مطابق مسح پیشانی کی طرف سے شروع کرنا اور ہاتھوں کو گدی تک لے جانا اور پھر وہاں سے پیشانی تک لے کر آنا ہے۔ البتہ اگر سر پر پگڑی ہو تو پگڑی پر مسح کرنا سنت ہے۔ سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا اور باقی کو چھوڑ دینا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا ایسا ایک مسلمان کو نہیں کرنا چاہیے۔

⑫ پاؤں کو بھی اچھی طرح دھونا ضروری ہے۔ ننگے پاؤں پر مسح کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

⑬ وضو کے بعد دو رکعت کی مشروعیت اور اس کی فضیلت۔ یہ دو رکعت نفل، سنت اور فرض میں سے کوئی بھی ہو سکتے ہیں۔

⑭ وضو عبادت ہے اور تمام عبادات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے

اپنے وضو کو نبی ﷺ کے وضو کی طرح کا کہا۔

⑮ نماز ادا کرتے وقت پوری توجہ نماز کی طرف رکھنے کی فضیلت کہ صرف دو رکعت سے پچھلے سارے (صغیرہ) معاف ہونے کی بشارت ہے۔

⑯ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کیے ہوئے عمل کی فضیلت اگرچہ وہ دیکھنے میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو جیسے صرف دو رکعت کی فضیلت۔

⑰ صحابی رسول ﷺ کا اپنے عمل کو نبی ﷺ کے عمل کی طرح کہنے سے اس عمل کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی کمال اتباع کرتے تھے۔

⑱ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو کتاب الوضو میں باب المضمضة في الوضو "یعنی وضو میں کلی کرنا" کے تحت لے کر آئے، جس سے وضو میں کلی کرنے کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے، باوجود اس کے کہ قرآن مجید میں وضو کے متعلق آیت میں کلی کا ذکر نہیں ہے۔

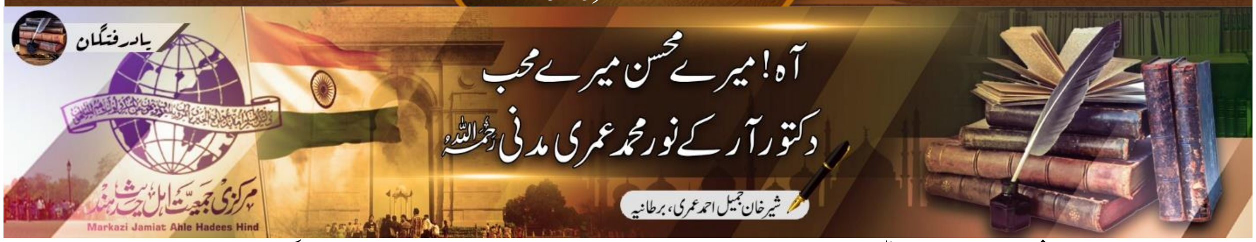
⑲ امام مسلم رحمہ اللہ کی اس حدیث پر امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب الطهارة، باب صفة الوضوء وكماله کا عنوان قائم کیا ہے، یعنی طہارت وپاکیزگی کی کتاب میں وضو کا طریقہ اور اس کے کمال کا بیان۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وضو سے مسلمان کو طہارت حاصل ہوتی ہے اور طہارت وپاکیزگی بڑے اور بلند اعمال میں سے ہے اور جو شخص طاہر رہنا چاہتا ہو تو اس پر وضو لازم ہے، وضو کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے اور جتنا وضو اچھے طریقے سے کیا جائے گا اتنی ہی زیادہ طہارت حاصل ہو گی اور وضو میں کمال رسول اللہ ﷺ کے وضو کی طرح کا وضو کرنا ہے۔

⑳ اس حدیث میں لفظ وضو 'واؤ' کے فتحہ (زبر) کے ساتھ اور اس کا وضو کا پانی ہے اور اگر ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر اس کا معنی عمل وضو ہے اور اگر اس کو کسرہ (زیر) کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے مراد وہ برتن (لوٹا وغیرہ) ہو گا جس میں وضو کا پانی ہوتا ہے۔۔۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وضو کو وضو میں ڈال کر وضو کرو۔ اس جملے میں پہلے لفظ وضو کے واؤ پر فتحہ دوسرے پر کسرہ اور تیسرے پر ضمہ ہے۔ واللہ اعلم

نغمگی قرآن کا حسن وجمال

شاعری میں وزن کی پابندیاں
قید ہوتی ہیں سخن آرائیاں
ہوتا ہے محدود پروازِ خیال
نظم کے اندر نہیں آزادیاں
بندشوں سے پاک ہے قرآں مگر
ہے نئے آہنگ میں جادو بیاں
گو نہیں ہے شاعری قرآنِ پاک
شعر کی موجود ہیں سب خوبیاں
قالبِ شعری لیے اسلوب ہے
رب کی انسان سے سخن فرمائیاں
آیتوں میں ہے حلاوت موجزن
اور سلامت کی بھی سحر انگیزیاں
جیسے اک کوزے میں بحرِ بے کراں
قافیوں میں دفعتاً تبدیلیاں
صوتِ قرآں کا الگ اعجاز ہے
لفظوں کی تکرار سے نیرنگیاں
آیتوں کا نظم ہے مربوط یوں
مختصر کے بعد ہی طولانیاں
اس کلام بافصاحت کے سبب
دل پہ کرتی ہیں اثر سچائیاں
ہے تلاوت میں لطافت کی کشش
حسنِ قرأت کی ہیں بزم آرائیاں
آیتوں میں زیر وبم ہیں بے مثال
نغمگی قرآن کا حسن وجمال

محمد فاروق نسیم



آہ! میرے محسن میرے محب
دکتور آر کے نور محمد عمری مدنی رحمہ اللہ

شیر خان جمیل احمد عمری، برطانیہ

کل ہی بذریعہ وائس میل شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو و پانڈی چیری نے یہ پریشان کن خبر دی تھی کہ دکتور آر کے نور محمد عمری مدنی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے، رپورٹ اور آثار کچھ اچھے نہیں ہیں۔ میں گھبرا کر فوری سوشل میڈیا پر اخوان سے دکتور کی صحت کے لئے دعا کی اپیل کی۔ ہر طرف سے دعائیں کی جارہی تھیں کہ آج 21 مارچ 2021ء علی الصبح یہ غم ناک خبر ملی کہ انڈیا کے وقت کے مطابق صبح 8 بجے چنئی کے نوبل ہسپتال میں دکتور کا انتقال ہوگیا ہے۔إنا لله وإنا إليه راجعون، یقین مانئے دل آپ کی وفات کی خبر کو نہ ماننے کے لئے تیار تھا اور نہ ہی اس خبر کو شیئر کرنے کے لئے تیار تھا۔ اتنے میں میرے پرسنل نمبر پر شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ کا وائس مسیج پہنچا کہ آر کے صاحب کی وفات ہوگئی ہے اور شیخ نے آپ کی وفات کو جماعت وملت کا بڑا خسارہ ٹھہرایا۔إنا لله وإنا إليه راجعون۔

اپنے آپ کو سنبھالا اور فوری شیخ کے لئے نماز جنازہ غائبانہ پڑھی اور اللہ سے خلوص دل سے دعا کی کہ اے اللہ کتاب وسنت کے شیدائی ہمارے بھائی کی بشری لغزشوں کو درگذر فرما، اس کی ہمہ جہت خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما، آخرت کی منزلوں کو اس کے لئے آسان فرما، جنت الفردوس میں نبیوں، صدیقوں، شہداء و صالحین کی صحبت میں جگہ عنایت فرما اور ان کی بیوی بچوں اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرما آمین۔

دکتور کے صاحبزادہ عزیزم عمر سلمہ کو تعزیت کے لئے فون کیا۔ اللہ: اللہ خود کی حالت ایسی تھی کہ کوئی مجھے دلاسہ دے، آنسو پونچھے، سمجھائے، صبر کی تلقین کرے۔ سات سمندر پار تڑپتا رہا! میں نے بچے سے بات شروع کی، ایک جملہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ دل بھر آیا ہچکیاں بندھ گئیں، اسی حالت میں عزیزم عمر سے تعزیت کی۔ بچہ نے دعاؤں کی درخواست کی، پھر میں نے دوبارہ بات کرنے کا وعدہ کرکے فون بند کردیا۔

میں کیا بتاؤں ہمارا آپس میں کیا رشتہ تھا۔ ایک دوسرے سے کتنا گہرا تعلق تھا۔ خلاصہ کے طور پر اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہی نہیں بلکہ گہری عقیدت بھی تھی۔ ہمیں ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد تھا۔ ہم آپس میں راز و نیاز کی خوب باتیں کیا کرتے تھے۔ پیش آمدہ امور میں ایک دوسرے سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ شاید کہ کوئی ہفتہ ایسا گذرا ہو جس میں آپ نے مجھ سے یا میں نے ان سے رابطہ نہ کیا ہو۔ سات سمندر کی مسافت ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ ایک ہفتہ قبل دو چیزوں پر آخری مشورہ ہوا ایک یہ کہ ملک میں "منہج سلف کی بقاء اور دفاع عن السنہ" پر منظم انداز میں کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لئے دس بارہ خالص منہجی شخصیات پر مشتمل ایک واٹس ایپ گروپ بناکر مشورہ سے کام کرنے کی تجویز طے ہوئی۔ ہم نے ممبرز کے نام تجویز کرنا شروع کردئے تھے۔ دونوں کا دو ناموں پر اتفاق ہوا تھا۔ میں نے حافظ عبدالحسیب عمری مدنی صاحب کا نام پیش کیا، دکتور نے شیخ طہ سعید خالد عمری مدنی صاحب کا نام پیش کیا۔ آگے ایک ایک نام کا اضافہ کرنے کی بات طے ہوئی تھی۔ دوسرا موضوع صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو کی تاریخ اہل حدیث کے پروجیکٹ کو مکمل کرنے کا تھا۔ آپ ہی کی تحریک اور نگرانی میں مولانا انعام الحق عمری صاحب امام وخطیب ویلورنے مواد جمع کرنا شروع کردیا تھا۔ ان دونوں احباب کی خواہش تھی کہ اس پروجیکٹ کی تکمیل میں میں بھی ان کا ساتھ دوں۔ چنانچہ دونوں حضرات سے تجاویز اور مشوروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ ابتک جو مواد جمع ہوا ہے اس کا مسودہ مجھے بھیجا گیا۔ اس کی روشنی میں دونوں کو میں نے اپنی تجاویز سے آگاہ کیا تھا۔ وعدہ تھا کہ بہت جلد اس سلسلہ میں آگے کے مراحل پر بات کریں گے۔ لیکن قضاوقدر نے اپنا کام کردیا اور دکتور ہم سے جدا ہوگئے۔ آپ علم و مرتبہ میں مجھ سے کافی بلند اعلی و ارفع تھے لیکن آپ کو مجھ پر غضب کا اعتماد واعتبار تھا۔ مجھے حیرت ہوتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ کسی متنازعہ موضوع پر جب بھی کچھ لکھتے تو اسے شائع کرنے سے قبل مجھے بھیج کر میری رائے معلوم کرتے۔ میری تجاویز کو بہت اہمیت دیتے۔ کتنی ہی مرتبہ میری تجویز پر اپنے مضامین میں حذف واضافہ فرمایا۔ میرے ای میل اور میرے فون آپ کے اس قسم کے پیغامات سے لبریز پڑے ہیں۔

آج آپ کی طالب علمی سے لے کر تادم واپسیں کی زندگی میری آنکھوں میں گھوم گئی۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں مجھ سے دو تین سال سینئر تھے۔ 1985ء میں آپ نے سند فراغت لی تھی۔ قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آپ کا تعلق سخت قسم کے حنفی المسلک گھرانے سے تھا۔ آپ عمرآباد اور ویلور کے درمیان ایک چھوٹے سے گاؤں "پلی کنڈا" کے باشندے تھے۔ آپ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں جب تک تھے سخت قسم کے

حنفی تھے، اور جماعت اسلامی کی فکر سے بھی کافی حد تک متأثر تھے۔ حالانکہ جامعہ کا ماحول مسلکوں کی سختی میں نرمی پیدا کر دیتا ہے، لیکن بعض لوگوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ آپ کا شمار بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔ مادر علمی میں، اہل علم کے لئے ائمہ کرام کی تقلید کرنا کہاں تک درست ہے؟ نیز دیگر افکار و نظریات پر بھی ڈاکٹر سے کئی مرتبہ میری جھڑپ بھی ہو چکی تھی۔ ہمارے درمیان علمی مباحثے بھی ہوتے رہے۔ لیکن ڈاکٹر تقلیدی مذہب پر ڈنکے کی چوٹ پر قائم تھے اور اس کا بھر پور دفاع بھی کرتے تھے۔ لیکن اللہ نے مہربانی فرمائی، آپ کا داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الحدیث میں ہو گیا اور ہوسٹل میں آپ کے روم میٹ ایک خالص سلفی العقیدہ کویتی ساتھی شیخ عائد الشمری بن گئے تھے۔ وہاں سے آپ کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس سلفی العقیدہ کویتی ساتھی نے دلائل اور اپنی عملی زندگی سے آپ کے دل ودماغ کی ساری مقید پرتیں کھول دیں۔ فکر و نظر کی اصلاح کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت کو آپ نے ایسے گلے لگایا کہ خاندانی سلفیوں کے لئے بھی آپ آئینہ بن گئے۔ علم کے اندر ایسا رسوخ حاصل کیا کہ خود جامعہ اسلامیہ میں علمی مرجع بن گئے۔ میرا مشاہدہ ہے، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ طلبہ تو طلبہ اساتذہ بھی اپنے طلبہ کو ڈاکٹر سے رہنمائی لینے کا مشورہ دیتے تھے۔ میں جب کبھی ڈاکٹر کو مادر علمی کی ہماری جھڑپوں کو یاد دلاتا تو افسردہ ہوتے پھر اس کے اسباب پر بات کرتے۔ پھر بتاتے کہ دراصل صحیح رہنمائی اور نیک صحبت انسان کی دنیا بدل دیتی ہے۔ جامعہ اسلامیہ میں جب میرا داخلہ ہوا تو آپ کلیہ کے آخری سال میں تھے۔ ہمارا خوش دلی کے ساتھ استقبال کیا۔ کئی نسبتوں کی وجہ سے مجھے اپنے سے اس قدر قریب رکھا کہ میں مختصر عرصہ میں مدینہ منورہ کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہو گیا۔ مجھے اپنے ساتھ کبھی شیخ حماد الانصاری رحمہ اللہ کے گھر لے جارہے ہیں تو کبھی شیخ ربیع المدخلی حفظہ اللہ کے گھر۔ کبھی شیخ عمر فلاتہ رحمہ اللہ کے گھر لے جارہے ہیں تو کبھی شیخ عبد المحسن العباد حفظہ اللہ کے گھر۔ آپ ہی کے ساتھ میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر ضیاءالرحمن الاعظمی عمری مدنی رحمہ اللہ کے گھر بھی گیا تھا اور ڈاکٹر کی صحبت سے استفادہ کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ پھر مدینہ منورہ میں ہونے والے دروس کا خاکہ بنا کر دے رکھا تھا کہ فلاں دن فلاں شیخ کے درس میں شریک ہونا ہے اور فلاں دن فلاں شیخ کے درس میں شریک ہونا ہے۔ مدینہ منورہ کے کبار علماء سے آپ کا گھریلو تعلق تھا۔ سب مشائخ اپنے بیٹے کی طرح آپ کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔ جب بھی مسجد قبا جاتے مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ غالباً کسی استاد نے آپ کو اپنی ایک پرانی کار دے رکھی تھی جس کو آپ استعمال کرتے تھے۔ فجر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھنے کے لئے اپنے ساتھ مجھے بھی پابندی کے ساتھ لے جاتے تھے۔ 1409ھ میں علامہ شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ کی خصوصی دعوت پر محدث عصر شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ حج کے لئے سعودیہ تشریف لائے تھے۔ حج سے بہت پہلے شیخ البانی رحمہ اللہ مدینہ منورہ بھی تشریف لے آئے۔ شیخ کی مدینہ آمد کی خبر کس کو ہوتی! ڈاکٹر آر کے نور محمد رحمہ اللہ چونکہ مدینہ کے مشائخ کے چہیتے تھے آپ کو اس کی نہ صرف اطلاع تھی بلکہ جامعہ میں عقیدہ کے ہمارے ایک استاد ڈاکٹر موسیٰ الدویش حفظہ اللہ کے گھر پر شیخ کے درس کے پروگرام کی بھی آپ کو خبر ہوگئی تھی۔ جس میں چند مخصوص مشائخ اور بعض طلبہ کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اللہ ڈاکٹر آر کے کی قبر کو ٹھنڈی کر دے، انہوں نے یہاں بھی مجھ پر احسان کرتے ہوئے شرکاء کی لسٹ میں اپنے ساتھ میرا بھی نام لکھوا دیا تھا۔ ڈاکٹر آر کے ہی کے طفیل سے مجھے نہ صرف شیخ البانی رحمہ اللہ سے پہلی مرتبہ بالمشافہ ملاقات کرنے کا موقعہ ملا بلکہ شیخ کے انتہائی قیمتی درس میں شریک ہو کر استفادہ اور شاگرد بننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ 1409ھ ہی میں میرے سسر محترم شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اپنی فیملی سمیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ مولانا کی بیٹی سے میرا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ ابھی ہمارا نکاح نہیں ہوا تھا۔ اسی رشتہ کی بنیاد پر مولانا سے میری ملاقات رہی۔ ڈاکٹر آر کے صاحب کو اس کا علم ہوا تو وہ چند مخصوص ساتھیوں (جن میں سر فہرست شیخ ارشد فہیم الدین سلفی مدنی حفظہ اللہ تھے) کے ساتھ فوری مشورہ کیا کہ جامعہ میں شیخ مختار کا محاضرہ رکھنا چاہئے۔ شیخ مختار سے میں نے طلبہ کی خواہش کی اطلاع دی۔ شیخ نے کہا کہ جامعہ میں محاضرہ کے لئے رسمی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ آر کے کے لئے یہ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ آپ نے اجازت لے لی۔ شیخ ارشد فہیم الدین مدنی صاحب نے شیخ مختار احمد ندوی صاحب کا جامع تعارف کرایا پھر شیخ مختار رحمہ اللہ نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر ایک گھنٹہ کا ایسا خطاب فرمایا کہ طلبہ سر دھنتے رہ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ شیخ کے محاضرہ کے بعد شیخ آر کے نور محمد صاحب نے اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا تھا کہ غیر سعودی جامعات سے فارغ یہ پہلی شخصیت ہے جن کو میں نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اس قدر جامع خطاب کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے۔

آپ کے ڈاکٹورہ کے بعد آپ کو مدینہ منورہ میں علمی کام اور ملازمت کے بڑے مواقع تھے۔ کئی کاموں کی پیش کشیں ہوئیں، لیکن آپ نے مادر وطن ہند کو ترجیح دی اور اپنے وطن کو اپنے عمل کا مستقر بنایا۔ آپ 25 مئی 1966ء میں پیدا ہوئے اور 21 مارچ 2021ء کو کوچ کر گئے۔ پچپن سال

کی مختصر عمر مستعار پائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ سے اس قدر کام لئے کہ بڑی بڑی عمر والے بھی نہیں کر سکے۔ اللہ نے آپ کے کاموں میں خوب برکت ڈالی۔ وقت کی پابندی آپ کی پہچان تھی۔ اپنے اوقات کو کام میں لانے کے لئے ہمیشہ پلان بناتے تھے۔ ہر گھنٹہ کے ہر منٹ کا حساب رکھتے تھے۔ آپ کو میں نے کبھی نہ فالتو کام کرتے دیکھا اور نہ ہی بے فائدہ بحثوں میں حصہ لیتے دیکھا۔ جو کچھ کہا، کیا اور لکھا وہ کتاب وسنت کے فروغ کے لئے تھا، یا دفاع میں تھا۔ سب کے لئے آپ کا دل صاف تھا۔ انہیں اپنے حاسدین اور دوستوں کا خوب علم تھا۔ جمعیت کے عہدوں سے ہمیشہ بھاگتے ہوئے دیکھا۔ لیکن جمعیت جماعت کی اصلاح وفلاح کے لئے فکر مند بھی ہمیشہ پایا۔ دو جمعیتوں کی صلح کے لئے بہت بے چین تھے۔ وزارت شئوون الاسلامیہ سعودی عرب سے جب دو رکنی وفد دہلی پہنچا تو شیخ احمد الرومی حفظہ اللہ مدیر ملحق دینی سعودی سفارت خانہ نے آپ کو اور دکتور عبداللطیف الکندی المدنی حفظہ اللہ کو بحیثیت مبصر شریک ہونے کا حکم دیا۔ آپ دونوں دہلی کی ایک ہوٹل جہاں یہ مشائخ طرفین سے مذاکرات کر رہے تھے وہاں پہنچ کر حکم کی تعمیل کی تھی۔ لیکن ماقدر اللہ اس وقت صلح کی بات بن نہیں پائی تھی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دستور ساز کمیٹی کے رکن رہ کر اس میں اصلاحات کے لئے سرگرم رہے۔ صلح بین الجمعتین میں میری کامیابی پر بے حد خوش ہوئے۔ مجھے، شیخ اصغر علی سلفی حفظہ اللہ اور شیخ صلاح الدین مقبول مدنی صاحب حفظہ اللہ کو الگ الگ مبارکبادی اور دعائیں لکھ بھیجیں۔ دونوں مشائخ کو لکھے گئے خطوط کی کاپی مجھے بھی بھیجی۔ آپ کا ماننا تھا کہ ملک میں خالص کتاب وسنت کی دعوت کی ذمہ داری کوئی تنظیم ادا کر سکتی ہے تو وہ جمعیت اہل حدیث ہی ہے۔ اس لئے اس تنظیم کے استحکام کے لئے ہمیشہ فکر مند رہے۔ دکتور مجھے بار بار کہتے تھے کہ شیخ زندگی کا دورانیہ بہت مختصر ہے۔ دن سال بہت تیزی سے گذر رہے ہیں، اس لئے ہمیں وقت ضائع کئے بغیر جتنا ممکن ہو سکے کام کر دینا چاہئے۔ آپ ہند میں سرمایہ ملت تھے۔ علم کا مینار تھے۔ علماء کا مرجع تھے۔ احباب کو بہت متوازن اور صائب مشورے دیتے تھے۔ آپ کی خدمات ہمہ جہت تھیں۔ آپ نے جو بھی کام کیا وہ خالص تھا، ملاوٹوں سے پاک، مصلحتوں سے خالی تھا۔ آپ اصولوں کے پابند تھے۔ منہج میں بالکل کھرے تھے۔ اس میں ذرہ برابر جھول نہیں پایا جاتا تھا۔ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ کی مثال تھے۔ شروع سے دیکھا پیر اور جمعرات اور ایام بیض کا روزہ رکھتے تھے۔

ملک اور بیرون ملک میں آپ کو چاہنے والے سینکڑوں اہل علم ہیں۔ جو آپ کی زندگی اور آپ کی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ غم و دکھ کی اس گھڑی میں یہ چند سطریں نوک قلم پر آگئی ہیں۔ پھر کبھی تفصیلی مضمون لکھا جائے گا۔

دکتور کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیوں اور دو بیٹوں سے نوازا ہے۔ آپ نے اپنی اولاد کو حافظ قرآن بنایا، دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے بھی آراستہ فرمایا۔ بڑے بیٹے نے چنئی ہی سے میکینکل انجنیئرنگ کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ پوسٹ گریجوایشن کے لئے برطانیہ آنا چاہتے تھے۔ دکتور نے مجھے آکسفورڈ کی تفصیلات بھیج کر مزید معلومات بھیجنے کے لئے کہا تھا۔ حکم کی تعمیل ہو گئی تھی۔ کرونا وبا کی وجہ سے دنیا کا نظام درھم برھم ہے۔

آپ نے مئی 2021ء کو اپنی بڑی بیٹی کی شادی طے کر رکھی تھی۔ اسی بچی کے کپڑوں وغیرہ کی خریداری کے لئے حیدرآباد دکن گئے اور بیمار ہو کر لوٹے۔ ٹیسٹ کرنے پر کرونا پازیٹیو نکلا۔ صحت اتنی خراب نہیں تھی پھر بھی فیملی فرینڈ ایک ڈاکٹر نے احتیاطا ہسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ منگل کو جاندار بدن اور پورے ہوش وحواس کے ساتھ ہسپتال میں داخل ہوئے لیکن چار، پانچ دن بعد اتوار کو بے جان اور بے ہوش باہر آئے۔ اللہ نے خیر کا معاملہ فرمایا۔ باڈی فوری مل گئی اور وفات کے چار پانچ گھنٹوں کے اندر اندر دوپہر ہی میں استاد محترم مولانا محمد عبداللہ عمری مدنی حفظہ اللہ سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور چنئی ہی کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ إن العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول إلا ما يرضى ربنا وإنا بفراقك يا دكتور لمحزونون۔

اللهم اغفر له وارحمه وأدخله فسيح جناته جنات النعيم آمين



انٹرویو نَو مسلمہ ٹوری جونی

ذکاء اللہ سلیم (امام وخطیب گرین لین مسجد یوکے)

چند سال قبل مسلمان ہونے والی ایک بہن کا ایمان افروز انٹرویو

ص: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ٹ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ص: آپ کا نام کیا ہے؟

ٹ: میرا نام Tori Jaunaii (ٹوری جونی) ہے۔

ص: کیا مسلمان ہونے کے بعد آپ نے اپنا نام تبدیل کیا ہے؟

ٹ: نہیں، میں ابھی تک اسی نام سے پکاری جاتی ہوں اور یہی نام برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔

ص: آپ کی عمر کیا ہے؟

ٹ: میری عمر اس وقت بائیس (22) سال ہے۔

ص: آپ کی تعلیمی اہلیت کیا ہے؟

ٹ: میں نے سکول اور کالج کی تعلیم حاصل کی ہے۔ یونیورسٹی نہیں گئی، کیونکہ مجھے وہاں کا ماحول پسند نہیں تھا۔

ص: آپ کا اصل تعلق کہاں سے ہے؟

ٹ: میں خود تو برمنگھم برطانیہ میں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی ہوں مگر میرے والدین کا اصل ملک جمیکا تھا اور وہ آج سے چند دہائیاں قبل برطانیہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

ص: آپ نے کب اسلام قبول کیا؟

ٹ: میں نے دسمبر 2016ء میں اسلام قبول کیا ہے۔

ص: کیا آپ کے قریبی یا دور کے رشتہ داروں میں کوئی اور بھی مسلمان ہے؟

ٹ: نہیں، میری ایک بڑی بہن اور دو چھوٹے بھائی ہیں، ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہے اور نہ ہی میرے والدین یا کوئی اور رشتہ دار مسلمان ہیں۔ میں چونکہ خود نئی نئی مسلمان ہوئی ہوں، کوشش کروں گی کہ دین کا کچھ علم حاصل کر کے اوروں کو بھی دعوت دوں۔ ان شاءاللہ

ص: اسلام کی طرف آپ کے سفر کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟

ٹ: میرے ننھیال کا تعلق عیسائی فرقے Jehovah's Witnesses (یہوواوٹنیسز۔ خدا کے گواہ) سے ہے۔ میری نانی ایک مبلغہ بھی ہے اور میری تین خالاؤں میں سے سب سے بڑی بھی ماضی قریب میں بپتسمہ کے ذریعے باقاعدہ اس فرقے کی کارکن بن چکی ہے۔ (بپتسمہ عیسائیوں کی ایک مذہبی رسم ہے جس میں پادری نومولود بچے کے سر پہ متبرک پانی ڈال کر کے اسے باقاعدہ عیسائی بناتا ہے اور یہی طریقہ ان لوگوں کے لیے بھی اختیار کیا جاتا ہے جو باقاعدہ عیسائی بننے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اس رسم کے پیچھے یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ پادری بپتسمہ کے ذریعے سابقہ گناہ دھو ڈالتا ہے اور بپتسمہ شدہ انسان ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے) اس فرقے کی ایک نمایاں خصلت یہ ہے کہ یہ گھر گھر جا کے عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ آپ کے لیے یہ تصور کرنا مشکل نہیں ہو گا کہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھنے کی بنا پہ میں بھی ایک مذہبی عیسائی لڑکی تھی۔ باقاعدگی سے مذہبی رسومات میں شرکت کرنا اور دوسروں کو بھی عیسائیت کی تبلیغ کرنا میری اسی تربیت کا نتیجہ تھا حتیٰ کہ نانی کے اصرار پہ میں خود بھی بپتسمہ کروانے کے قریب ہی تھی۔ سچ یہ ہے کہ اس انداز سے میرا مذہب سے لگاؤ محض دکھاوے اور خود فریبی کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہوواوٹنیسز کے لوگ اپنی مذہبی عبادات و رسومات جس جگہ پہ ادا کرتے ہیں اسے kingdom Hall کہا جاتا ہے۔

جس میں لوگ ہفتے میں دو یا تین بار جمع ہو کر باجماعت دعا، بائبل کی درس وتدریس اور باہمی تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ وہاں حاضری کے لیے آپ کا عیسائی ہونا یا اس فرقے سے منسلک ہونا ضروری نہیں ہوتا اور نہ ہی حاضرین کے لیے رنگ ونسل یا عمر کی قید ہوتی ہے۔ اس لیے وہاں بہت سے بچے، نوجوان اور بوڑھے سبھی ہوتے ہیں۔ میں ایک عرصہ دراز تک بلکہ اپنے بچپن ہی سے اپنی والدہ اور نانی کے ساتھ وہاں حاضری دیتی رہی مگر میں نے کبھی بھی دلی طور پہ خود کو اس مجمع، جماعت یا حاضرین کا حصہ نہیں سمجھا۔ حتیٰ کہ وہ بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو میری طرح بچپن ہی سے وہاں باقاعدگی سے آیا کرتے تھے اور میں ان سے خوب واقف تھی، میں نے ان کے درمیان خود کو ہمیشہ اجنبی ہی محسوس کیا تھا۔ آخر کار سکول کے آخری ایام میں پڑھائی کی مصروفیت بڑھنے کے بہانے سے میں نے مذہب سے دوری اختیار کرنا شروع کر دی۔ پھر سکول کے بعد کالج اور پھر جاب کرنا شروع کر دی، اس کے ساتھ ساتھ مذہب سے دوری بڑھتی گئی۔ مگر بچپن کی تربیت کے نتیجے میں اس دوری کا خلا بہت محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی دوران ایک مسلمان آدمی سے میری شناسائی ہو گئی۔ اس نے میرے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر میں مطمئن نہ تھی۔ کیونکہ وہ مسلمان تھا اور میں عیسائی۔ اگرچہ وہ صرف نام کا ہی مسلمان تھا، اس نے مجھے بتایا کہ اس کے مذہب (اسلام) کے مطابق مسلمان مرد کسی یہودی یا

عیسائی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ میرا نظریہ یہ تھا کہ دونوں کا مذہب مختلف ہونے کی وجہ سے ذہنی ہم آہنگی ہونا مشکل ہے، لہٰذا کیوں نہ ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے مذہب کو ٹٹولیں اور پھر طے کریں کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن۔ چنانچہ اسی خیال کو عملی شکل دینے کے لیے میں نے اسلام کا اور اس نے میرے مذہب (عیسائیت) بالخصوص یہوواوٹنیسز کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ مجھ سے بہت سوالات ایسے کرتا جن کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہوتا تھا۔ بالآخر اس کی تسلی کے لیے میں نے اس کی ایک دو ملاقاتیں اپنے مذہبی رہنماؤں سے کروائیں مگر افسوس کہ وہ اس کے سوالات کے تشفی بخش جوابات نہ دے سکے بلکہ اس سے پہلے خود میری اپنی تسلی بھی نہ ہو سکی، جس کے نتیجے میں میں اپنے مذہب سے مزید مایوس ہو گئی۔ پھر میں نے سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ تحقیق اور جستجو کے اس مرحلے میں مجھے ڈاکٹر ذاکر نائیک کی یوٹیوب پہ موجود تقاریر سے بہت فائدہ ہوا۔ میرے ذہن میں اٹھنے والے بہت سے سوالات کے تسلی بخش جوابات مجھے ان کی تقاریر سے ملتے گئے۔ پھر کبھی عیسائیت سے متعلق میں کوئی سوال یا شبہ اپنی نانی یا والدہ کے سامنے ظاہر کرتی تو ان کا جواب ایک ہی ہوتا تھا کہ ”ایسے سوالات کرنا جائز نہیں ہیں، ایسی باتوں سے خدا ناراض ہوتا ہے وغیرہ۔“ پھر میں نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا بھی شروع کر دیا، جس سے مزید اطمینان نصیب ہوا۔

ص: آپ نے کس موڑ پہ پہنچ کے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا؟

ٹ: تحقیق اور مطالعہ سے دل تو مطمئن ہو چکا تھا لیکن بڑوں کا دین چھوڑنا سب سے مشکل مرحلہ تھا۔ کیونکہ آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑنے کا مطلب انہیں غلط قرار دینا اور خود کو درست سمجھنا ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ تک میں اس ذہنی اضطراب کا شکار رہی اور اس تذبذب میں مبتلا رہی کہ اگر اسلام سچا دین ہے تو پھر بڑوں کے دین کو میں کیسے جھٹلاؤں۔ صبح و شام اور دن رات سوتے جاگتے یہی بے قراری رہتی، مگر یہ کیفیت آخر کب تک برقرار رہتی۔ آخر ایک دن ضمیر نے جھنجھوڑا کہ مزید نظر اندازی خود کو احمق بنانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ فیصلہ کر لیا کہ اب اسلام قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں اور پھر جلد ہی چند مسلمانوں کی موجودگی میں کلمہ بھی پڑھ لیا۔

ص: آپ کو اسلام کی سب سے زیادہ اچھی چیز کون سی لگی تھی؟

ٹ: سب سے اچھی چیز رنگ و نسل کی عصبیت سے بالاتر ہو کے ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا رویہ رکھنا، میرے لیے سب سے خوش کن بات تھی جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ میں اپنے سابقہ مذہب کے لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے کے باوجود اجنبیت کا شکار تھی، ویسی بیگانگی مجھے مسلمانوں کے ہاں نظر نہیں آئی، اسکی وجہ شاید یہ تھی کہ ”یہوواوٹنیسز“ کے لوگ اگرچہ اپنے اجتماعات میں تو ایک دوسرے سے مانوس نظر آتے ہیں، مگر اپنی مذہبی عبادت گاہوں کی چار دیواری سے باہر ان کے باہمی تعلقات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

اسلام کی دوسری بڑی خوبصورت چیز مجھے نماز بالخصوص سجدہ کرنے کا طریقہ لگا۔ یہوواوٹنیسز کے ہاں عبادت کا جو طریقہ رائج ہے اس میں کسی حد تک رکوع اور قیام تو اگرچہ شامل ہیں مگر سجدہ نہیں۔ جبکہ سجدے سے جو عاجزی انسان کے اندر آتی ہے وہ قیام اور رکوع سے نہیں آتی، حالانکہ ان کی حیثیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ سجدہ کرنے سے انسان کے دل کی کیفیت عجیب ہو جاتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ واقعتاً اپنے مالک کے قریب ہو رہا ہے۔ (حدیث شریف اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ انسان حالتِ سجدہ میں اللہ کے سب سے قریب ہوتا ہے۔)

ص: اسلام قبول کرنے سے قبل اسلام یا مسلمانوں کے بارے میں آپ کا تصور کیا تھا؟

ٹ: میں جس کالج میں پڑھتی تھی وہاں مسلمان طلبہ کثیر تعداد میں تھے۔ ان سے گھلنا ملنا مجھے کچھ عجیب نہیں لگتا تھا، جبکہ یہوواوِٹنیسز میں یہ تصور دیا جاتا ہے کہ ان کے سوا باقی سب غلط اور شیطانی راہیں ہیں۔ اسی طرح میں جانتی تھی کہ میڈیا پہ بھی بہت پروپیگنڈا ہوتا ہے مگر میں نے کبھی میڈیا پہ اعتماد نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اسلام کا مطالعہ کرنا میرے لیے کوئی مشکل فیصلہ نہ تھا۔ البتہ اسلام قبول کرنا مشکل ضرور رہا، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔

ص: کیا اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کو اپنے گھر والوں کی طرف سے کسی پریشانی کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا؟

ٹ: بہت زیادہ تو نہیں، مگر کسی حد تک ردّ عمل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خصوصاً میری نانی تو ابھی تک مختلف انداز سے کبھی ہمدردی ظاہر کر کے، کبھی غصے اور کبھی دوسروں کے سامنے شرمندہ کر کے مجھے سابقہ مذہب پہ لانا چاہتی ہے مگر میرے لیے اس کی یہ تمام کوششیں بے معنیٰ ہیں۔

ص: دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں کا رویہّ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟

ٹ: میں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے میری ہدایت کا بندوبست فرمانے کے ساتھ ساتھ اب میری تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی فرما دیا ہے۔ وہ ایسے کہ مسلمان ہونے کے چند روز بعد میں ایک بک سٹور پہ گئی، جہاں سے کتابیں اور برقعہ وغیرہ خریدنا چاہتی تھی۔ وہاں میری ملاقات

ایک مسلمان بہن سے ہوگئی۔ جس نے مجھ سے تعارف کرنے کے بعد گرین لین مسجد میں واقع اسلام وائز(Islam Wise) کے بارے میں مجھے نہ صرف بتایا بلکہ اپنے ساتھ وہاں لے گئی۔ تب سے اب تک ان کے ساتھ منسلک ہوں، باقاعدگی سے نو مسلمانوں کی تعلیمی کلاسز میں شرکت کرتی ہوں اور میں بہت مسرور ہوں۔ الحمدللہ

ص: آپ کی بات کا آغاز تو ایک مسلمان مرد سے شادی کے معاملے سے ہوا تھا، کیا آپ نے پھر اس سے شادی کر لی؟

ٹ: جی! مسلمان ہونے کے بعد میں نے اس سے شادی کرلی ہے۔ اب ہم دونوں دین سیکھ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون بھی کرتے ہیں۔ بلکہ میرا خاوند اکثر وبیشتر میرا شکریہ ادا کرتا ہے کہ وہ میری وجہ سے دین کی طرف پلٹ آیا ہے۔

ص: بطور نومسلمہ آپ ہمارے قارئین کو کیا پیغام دینا پسند کریں گی؟

ٹ: میرا پیغام یہ ہے کہ ہر انسان کو حقیقت کی تلاش ہمیشہ جاری رکھنی چاہیے اور اسے لوگوں کی سنی سنائی باتوں یا پروپیگنڈا کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کل میڈیا مسلمانوں میں رائج مختلف ثقافتوں اور کلچرز کو دین بنا کے پیش کرتا ہے اور اسلام سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ اسلام ہر ایسے کلچر کو ٹھکراتا ہے جو اس کی تعلیمات سے تضاد رکھتا ہو۔ مثلاً عورتوں کے حقوق غصب کرنے کے حوالے سے میڈیا بعض نام نہاد مسلمانوں کے غلط کرتوت دکھا کر اسے اسلام کا رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ لوگ اس دین کو ایک غاصب اور ظالم دین تصور کریں حالانکہ اسلام عورت کو ایسی عزت عطا کرتا ہے جو کسی دوسرے مذہب یا ثقافت میں نظر نہیں آتی۔

ص: آپ نے ٹھیک کہا، اللہ تعالیٰ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں کو نامراد بنائے۔ آپ سے آخری سوال یہ ہے کہ بطورِ مسلمان آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟

ٹ: سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں عربی زبان سیکھوں تاکہ قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھ سکوں اور دوسری خواہش یہ ہے کہ میں حج یا عمرہ کرلوں۔

ص: اللہ تعالیٰ آپ کی دونوں تمنائیں بدرجہ اتم پوری فرمائیں۔

انٹرویو دینے کا بے حد شکریہ

استقبالِ رمضان

مسلمانو! اٹھو اب ماہِ رمضان آنے والا ہے
کرو تیاریاں روزوں کی شعبان جانے والا ہے
کرو رمضان کا استقبال تم بے حد مسرت سے
کرو روزوں کا استقبال تم سچی محبت سے
عبادت کا مہینہ ہے کریں اس میں عبادت ہم
سخاوت کا مہینہ ہے کریں اس میں سخاوت ہم
کرو تم ذہن و دل کو پاک پاکیزہ مہینہ ہے
منور کر لو ظاہر اور باطن گر قرینہ ہے
ہر ایک لمحہ غنیمت ہے خزانہ جمع کر لیجیے
مہینہ صبر کا ہے غصہ قلعہ قمع کر لیجیے
مسلمانو! کرو رمضان کی روحانی تیاری
بہ الفاظ دیگر جسمانی و نورانی تیاری
مہینہ ہے یہ قرآں کا تلاوت کیجیے قرآں کی
مہینہ ہے یہ تقوے کا یہ ہے پہچان رمضان کی
ہے شہرِ احتساب اس میں کریں ہم احتساب اپنا
نجاتِ اخروی کے واسطے کر لیں حساب اپنا
اس میں ہم زکوٰۃ و صدقہ و عطیات دیتے ہیں
جو دیتے ہیں کسی کو واسطے حسنات دیتے ہیں
سحر، افطار کرتے ہیں مساکین اور فقراء بھی
ہے منظر روح پرور کیا کبھی لوگوں نے سوچا بھی
بہت خوش ہو کے بچے بھی ہمارے روزے رکھتے ہیں
ہر اک سے آگے بڑھنے کی مسلسل سعی کرتے ہیں
قیام لیل سے سب مسجدیں بُقعہ سی لگتی ہیں
بہ وقتِ فطر واللہ نور کا ھالہ سی لگتی ہیں
خدا شاہد ہے بڑھ جاتی ہیں اس میں رونقیں بے حد
کہ ہو جاتی ہیں ہر مؤمن کے دل میں عظمتیں بے حد
سبھی بچتے ہیں کھانے پینے سے اور خواہشوں سے بھی
برائی کے ہر اک پہلو سے بدتر عادتوں سے بھی
بہ کثرت توبہ استغفار کرتے ہیں گناہوں سے
دلوں میں نور رہتا ہے دعاؤں اور آہوں سے
یقیناً ہے مہینہ برکت و غفران کا لوگو!
شیاطینِ لعیں کے واسطے زنداں کا لوگو!
ہے رکھتا آخری عشرہ بھی اس کا اَجر بے پایاں
شب قدر اس میں ہے جس پر ہزاروں ماہ ہیں قرباں
دعاؤں کا مہینہ ہے کرو اس میں دعائیں تم
برائے مغفرت کرتے رہو ہر وقت آہیں تم
برائے امتِ مرحوم بھی اس میں دعا کیجیے
بڑی پابندی سے یہ کام بھی صبح و مساء کیجیے
خوشی میں ماہِ رمضان کی ہے شامل بندۂ ثاقب
کرم ہے تیرا بے پایاں میری تقدیر کے کاتب

از ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی



مصلی مروانی

مسجد اقصی کے بائیں پہلو میں مصلی مروانی کے نام سے ایک وسیع و عریض پر ہیبت دالان ہے، جو کئی ہزار مربع میٹر (ایک محتاط اندازے کے مطابق 600×500 مربع میٹر پر مشتمل ہے) جسے مسجد اقصی کے نیچے جبل الہیکل کی جنوبی دیوار کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ ساڑھے بارہ میٹر نیچے ستونوں کی بارہ قطاریں ہیں۔ یہ بھی مسجد اقصیٰ کا حصہ ہے بلکہ اسے مسجد اقصی کا زیریں حصہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے، بڑے بڑے پتھروں سے بنا ہوا، جو کم و بیش تین ہزار سال سے بھی زیادہ پرانے پتھر ہیں۔ لگتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت جنوں نے جو پتھر فراہم کیے تھے وہ یہاں لگائے گئے ہیں۔ بلکہ شاید انہی نے لگائے تھے اور لگتا ہے کہ مسجد اقصی کا یہ حصہ جنوں نے ہی تعمیر کیا تھا۔ اور شاید رسول اللہ ﷺ نے جس مسجد اقصی میں نماز ادا کی، اگر وہاں کوئی اس دور میں عمارت تھی تو وہ یہی ہو سکتی ہے، جس پر امتداد زمانہ کے باعث پردہ پڑا رہا۔ واللہ اعلم۔ جس کا مین گیٹ معراج کی رات گیٹ کیپر کی کوشش کے باوجود بند نہیں ہو سکا تھا۔ جس کا ذکر حافظ ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں کیا۔ اس کا پہلا حصہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ (کتاب بدء الوحی حدیث نمبر 7)

"قیصر روم ہر قل ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد بیت المقدس آیا تو اسے رسول اللہ ﷺ کا خط ملا جس میں اسے اسلام لانے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس نے آنحضور ﷺ کے بارے مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے مکہ سے آنے والے لوگوں کو اپنے پاس لانے کا کسی معتبر شخص کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ان دنوں سردار مکہ ابوسفیان ایک تجارتی سفر کی بنا پر یروشلم میں موجود تھا، شاہ اور ابوسفیان کے مابین دس سوالات وجوابات ہوئے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اس شخص (مدعی نبوت حضرت محمد ﷺ) نے کبھی جھوٹ بولا۔ ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا لیکن اتنا کہہ دیا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ انہی دنوں یروشلم میں راتوں رات آئے اور انبیاء کی امامت کی۔ ابوسفیان کا خیال تھا کہ میرا یہ کہنا ہر قل کو آنحضور ﷺ کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا کر سکتا ہے، ابوسفیان تو رخصت ہو، الیکن مجلس میں موجود شام کے لاٹ پادری ابن ناطور۔۔۔نے کچھ کہنے کی اجازت چاہی، اس نے کہا: "ابوسفیان کی اس بات پر اسے ایک رات کا واقعہ یاد آگیا ہے، وہ بولا کہ ایک رات میں نے کنیسہ کا بڑا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن وہ باجود زور لگانے کے بند نہ ہو سکا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید دروازے میں کوئی فنی خرابی پیدا ہو گئی ہو، صبح کسی کاریگر کو لے کر آؤں گا۔ چنانچہ ساری رات دروازہ کھلا رہا۔ اگلی صبح میں نے دروازے کو معمول کی طرح درست پایا۔ لاٹ پادری نے کہا شاید یہی وہ رات ہو جس میں محمد ﷺ یہاں تشریف لائے ہوں، کیونکہ ایسا واقعہ کسی نبی کی آمد پر ہی ہو سکتا ہے۔ البدایہ میں ابن کثیر لکھتے ہیں:

"و قد كان هرقل حين جاءه الكتاب النبوی وهو بايلياء ووعظ النصارىٰ فيما كانوا قد بالغوا فی القاء الكناسة على الصخرة حتى وصلت إلى محراب داؤد قال لهم إنكم لخليق أن تقتلوا على هذه الكناسة مما امتهنتم هذا المسجد كما قتلت بنو اسرائيل على دم يحى بن زكريا ثم أمروا بإزالتها فشرعوا فی ذالك فما ازالوا ثلثها حتى فتحها المسلمون فازالها عمر بن الخطاب." (2688)

"میرا ناقص خیال ہے کہ مسجد اقصی کا یہ حصہ اس وقت موجود تھا جسے آج کل مصلی مروانی کہا جاتا ہے، ممکن ہے یہ اس عمارت کا حصہ ہو جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے تعمیر کرایا تھا۔ اس کا جتنا حصہ بخت نصر وغیرہ سے تباہ ہو سکا وہ کر دیا گیا یہ چونکہ زیریں حصہ تھا اس لیے اس کی دست برد سے محفوظ رہا ہو گا۔ جس کی بعد میں عبد الملک نے مرمت کروائی اور اسے ایک مسجد کی شکل دی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ فلسطین کی تاریخ ہزاروں سال سے ہے۔ اس کو میں نے کئی دن کی ادھیڑ بن کے بعد ترتیب دیا ہے۔ مصلی مروانی میں موجود زمین دوز ہال گنے جائیں تو ان کی تعداد 16 بنتی ہے۔ اسی کے زاویہ میں حجرہ مریم، اور محراب زکریا کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب کئی ایک تاریخی جگہیں ہیں جن میں سے بعض کو جنگلہ لگا کر اور بعض کو چبوترا بنا کر محفوظ کیا گیا ہے (جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں پہلے بھی کوئی عمارت تھی) کہا جاتا ہے کہ خلیفہ عبد الملک نے دینی تعلیم کی غرض سے اپنے والد مروان کے نام سے بنوائے تھے۔ انہوں نے تعمیر و مرمت کی ہے، عربی میں انہیں رواق کہا جاتا ہے۔

عیسائیوں کا سفاکانہ حملہ

بارہویں صدی عیسیوی میں جب عیسائیوں نے القدس پر قبضہ کیا تو حسب عادت (جیسا کہ سپین میں کیا تھا) انہوں نے مسلمانوں کی اتنی خون ریزی کی کہ یروشلم کی گلیاں تین تین فٹ خون

میں ڈوب گئیں۔ ستر ہزار بے گناہ مسلمان شہید کئے گئے ،ان کی کثیر تعداد مصلی مروانی میں پناہ گزیں تھی۔ عیسائیوں نے ان پناہ گزینوں کو بھی نہ بخشا اور سبھی کو تہہ تیغ کر دیا۔ اورانہوں نے اس مصلی مروانی کو جنگی گھوڑوں کیلئے اصطبل اور اسلحہ خانہ میں بدل دیا اور مشہور کیا گیا کہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کا اصطبل تھا ۔ یہ بھی روایت ہے کہ یروشلم کے بادشاہ بالڈون(118-113)نے بھی اسے بطور اصطبل استعمال کیا تھا (جیسے ہندوستان میں سکھوں نے پنجاب پر قبضے کے بعد بادشاہی مسجد، چینیانوالی مسجد اور اس طرح کی کئی تاریخی مساجد کو اصطبل بناڈالا تھا)

مصلی مروانی میں اصطبل کے سوراخ موجود ہیں۔

یہ وہ دور ہے جس میں خاتم النبیین ﷺ کی عرب میں بعثت ہوئی تھی اور آپ ﷺ کو معراج کا سفر درپیش ہوا اور اسی مسجد میں آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی اور اسی مسجد سے آپ آسمانوں کے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب یروشلم کو فتح کیا تو مصلی مروانی کا استعمال بطور اصطبل بند کر کے اسے سیل کر دیا۔ کیونکہ شاید نمازیوں کی تعداد کم تھی اس لیے اس کو لائق استعمال بنانے کی طرف توجہ نہیں دی اور پھر تقریباً سات سو سال تک یہ بند رہا۔1996 میں نمازیوں کی کثرت کی بنا پر اردنی حکومت نے اس کی دوبارہ بطور مسجد بحالی کا بیڑہ اٹھایا اور اگست 1996 سے اس کی مرمت و تزئین کا کام شروع کر دیا گیا۔ الحرکتہ الاسلامیہ کے قائد الشیخ رائد صلاح کی اپیل پر بیت المقدس ، الخلیل اور العقبہ سے ہزاروں نوجوان اس مبارک کام میں ہاتھ بٹاتے رہے اور مارچ 2001 تک اس کی تعمیر نو اور تزئین مکمل ہو گئی۔

اب یہ پورا ایریا قیمتی قالینوں اور فانوسوں سے سجا ہوا ہے۔ چھت کا اوپر والا حصہ ٹائلوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے ۔ جنوبی سائڈ میں لکڑی کا خوبصورت محراب بنایا گیا۔ یہودیوں نے ہیکل کی تعمیر کے ارادے سے جنوبی دیوار کے بالمقابل باہر کی طرف سیڑھیاں بنادی تھیں تا کہ کسی وقت بھی اس زمین دوز عمارت میں داخل ہوا جا سکے ۔ مصلی مروانی کی شمالی جانب دو بڑے دروازے بند کر دیے تھے۔ باہر سے مٹی اور پتھروں کا ڈھیر لگتا تھا۔ اسرائیلیوں نے نیچے جو کھدائی کی اس سے جنوبی دیوار کا استحکام خطرے میں پڑ گیا تھا۔ اسی لیے اس کھدائی کو قبیحہ ، عمل الرهيب الملعون (عمل قبیح) جیسی اصطلاحوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہودیوں کی اس سازش کو ناکام بنانے کیلئے ان بند دروازوں کی دوبارہ بحالی کیلئے پھر تحریک شروع ہوئی اور 2002 میں یہ دروازے پھر سے معرض وجود میں آ گئے۔

مصلی مروانی میں جگہ جگہ حفظ و تدریس قرآن کے حلقات قائم ہیں، جہاں مسلمان بچے قرآن کریم کی تعلیم و تحفیظ میں مشغول ہیں۔ بڑی وسیع لائبریری بھی ہے ۔ نماز کیلئے ایک بڑا ہال تیار کیا گیا مسجد کا اوپر والا حصہ بھی شامل کر لیا جائے تو مسجد اقصیٰ میں 7000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ رمضان المبارک میں تراویح کیلئے یہ وسیع و عریض مسجد بھی تنگ دامانی کا شکوہ کرتی ہے ۔ جس کی وجہ سے مسجد اقصی کے پہلو میں عارضی آہنی مظلات کافی بڑے ایریے میں نصب کر دیے گئے ہیں۔ موجودہ تزئین و آرائش 1996 میں مسجد اقصی وقف کے تحت ہوئی ۔ مسجد اقصی کے ائمہ و خطباء اور مدرسین و موذنین کی تنخواہیں بھی مقرر ہیں جنہیں اردنی حکومت کی سرپرستی میں قائم وقف ادا کرتا ہے۔

چونکہ ارض فلسطین کی ایک لمبی تاریخ ہے ۔ مجموعی طور پر یہ علاقہ ہمیشہ آباد رہا بلکہ غالباً تاریخ میں سب سے زیادہ آبادی اسی علاقے میں رہی ہے ۔ انبیاء کرام کی بڑی تعداد اس علاقے میں مبعوث ہوئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تاریخ کے اس مدوجزر میں سے بہت ہی کم چیزیں محفوظ رہی ہیں۔ میں نے مصلی مروانی کے نام سے تمام فائلیں، پروگرام، سفر نامے وکی پیڈیا چھان مارے مجھے کہیں سے کوئی تسلی بخش مواد نہیں ملا۔ اسی لئے میں نے اپنی دانست میں اسے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتے ہیں ۔ مصلی مروانی کو چھان پھٹک کر تفصیلی وزٹ کے بعد ہم باہر نکلے تو وضو کیلئے بنائی گئی جگہ سے پانی پیا اور ساتھ بوتلوں میں بھی بھر لیا کہ ابھی مسجد اقصی کی تفصیلی زیارت کرنی ہے ۔ مصلی مروانی سے دائیں طرف بڑھنا شروع ہو گئے۔ باب السلسلہ تک یہ ہموار گزر گاہ ہے۔

آیئے ہم قبۃ الصخراء والے پلیٹ فارم پر آئیں۔

مسجد اقصیٰ میں گنبد الصخراء (Dome of the Rock) بارے معلوماتی تحقیق

قبۃ الصخراء ۔۔۔ جلال و جمال کا حسین امتزاج۔۔ سونے کا تاج پہنے ہوئے دنیا کا خوبصورت ترین سنہری گنبد۔

قبۃ الصخراء: یروشلم ہی نہیں، پورے فلسطین کی سب سے خوبصورت یادگار۔ اس شہر میں کئی تاریخی گرجے ، سینی گاگ اور مینار ہیں ، لیکن جو حسن و عظمت اور رعنائی گنبد صخراء کی ہے وہ بالکل منفرد ہے۔

قبۃ الصخرہ: جس کا حسن و جمال مسلمانوں کے دلوں کی طرح خوبصورت، ان کی تاریخ کی طرح سنہری اور ان کے جاہ و جلال کی طرح پر ہیبت ہے۔

قبۃ صخراء : جو بیت المقدس اور مسجد اقصی کی علامت کے طور پر ہر تصویر میں دکھایا جاتا ہے۔

قبۃ الصخراء: دنیا کے سب سے منفرد سکندر اعظم "سیدنا وامامنا حضرت عمر فاروق ابن الخطاب رضی اللہ عنہ" کا امت کے لیے ایک نایاب تحفہ۔

مطلب اس بات کا یہ ہے کہ اس دور کے عیسائیوں نے یہود دشمنی میں جبل ہیکل کے اس حصے کو کوڑے کرکٹ کے پھینکنے کی جگہ بنا رکھا تھا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس جگہ کو دریافت کروا کے صاف نہ کرواتے تو شاید یہ جگہ بھی امتداد زمانہ کی بے رحمی کا شکار ہو کر بے نام ہو چکی ہوتی۔ اور وجہ

اسے محفوظ رکھنے کی یہ تھی کہ یہاں سے رسول اللہ ﷺ کا سفر معراج شروع ہوا تھا۔137ق م میں رومی بادشاہ ہیڈریان نے شوریدہ سر یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے جلاوطن کر دیا تھا۔70عیسوی میں یہاں یونانی جیوپٹر اکا معبد بنایا گیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کرلی اور بیت المقدس میں گرجا تعمیر کر ڈالا۔ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں دنیا کیلئے رحمتوں کا پیغام لے کر رحمۃ للعالمین ﷺ سرزمین حجاز میں مبعوث ہوتے ہیں۔ ساتویں صدی کے پہلے عشرے میں اعلان نبوت ہوتا ہے۔ جس کے تقریبا دس سال بعد آپ ﷺ معراج کے دوران میں بیت المقدس بھی تشریف لائے۔ اس دور میں بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ نبی ﷺ کی وفات کے سولہ سال بعد حضرت عمر فاروق ؓ نے جب یروشلم کو فتح کیا اور مسجد اقصی کی زیارت کیلئے تشریف لائے۔ چونکہ مسجد اقصی جس ایریے میں سیدنا یعقوب ؑ کے دور میں بنی تھی وہ بہت بڑا مگر پہاڑی سلسلہ ہونے کی وجہ سے ناہموار ایریا تھا۔ اور یہ جگہ جہاں آج قبہ ہے اور اس کے ارد گرد اونچا پلیٹ فارم بنا ہوا ہے، اس وقت نہ تو قبہ تھا اور نہ ہی یہ پلیٹ فارم، بلکہ اونچا نیچا جبل ہیکل تھا۔ جسے عیسائیوں نے یہود دشمنی کے احساس سے کچرا پھینکنے کی جگہ بنا کر اس صخراء کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ چلتے چلتے حضرت عمر فاروق ؓ نے اس خاص جگہ کا پوچھا۔ جہاں سے رسول اللہ ﷺ آسمانوں کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ کعب احبار جو یہودیت چھوڑ کر نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور یہود کے نزدیک یہ پتھر بڑا متبرک تھا۔ انہوں نے جبل ہیکل پر صخرہ کی جگہ کی نشاندھی کر دی، کہ اس دیوار سے اتنے ہاتھ آگے جائیں تو وہاں صخراء ہے۔ جو کوڑے کے ڈھیر میں چھپ چکا تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے وہ جگہ صاف کرائی اور یہ چٹان نکلوائی۔ اتنی دیر میں امیر المومنین کی نظر کعب پر پڑی، جنھوں نے صخراء کے سامنے احتراما جوتے اتار لیے تھے اور جب امیر المومنین نے نوافل کی ادائیگی کا ارادہ ظاہر کیا، تو کعب احبار نے مشورہ دیا کہ صخرہ کے پیچھے نماز ادا کر لیں، تاکہ قبلہ موسیٰ اور قبلہ محمد ﷺ کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔ کیونکہ مسجد اقصی کی بجائے صخرہ کی اہمیت یہود کے نزدیک بہت زیادہ تھی۔ صخرہ کی تعظیم کے اس ارادے کو بھانپتے ہوئے سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا:"ضاهيت والله اليهودية يا كعب و قد رأيتك وخلعت نعليك." "لگتا ہے تمہارے اندر یہودیت کی رگ پھڑک رہی ہے۔ حالانکہ یہودیت ذلیل ہو چکی ہے مگر تیری سوچ نہیں بدلی اور تو نے اس پتھر کی تعظیم کیلئے جوتے اتار لیے ہیں، میں دیکھ چکا ہوں تمہاری اس حرکت کو۔ یعنی تو مجھ سے مسجد اقصی کی بجائے چٹان کی تعظیم کروانا چاہتا ہے۔"

تاریخ انسانیت کے سکندر اعظم کی نگاہوں کی دور رسی ملاحظہ ہو، جو ہر فتنے یا برے ارادے کو فوراً بھانپ لینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

اور آپ نے فرمایا: میں تو وہاں نماز ادا کروں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائی تھی۔ اس لیے آپ نے صخراء کے پیچھے نماز ادا نہیں کی بلکہ تھوڑا سا نیچے جا کر نماز ادا کی (اب وہاں محراب سا بنا ہوا ہے جو سیدنا عمر ؓ کی طرف منسوب ہے) حضرت عمر ؓ نے اسی جگہ (براق اور صخراء کے قریب) مسجد کی تعمیر نو کا حکم دیا، تب مسجد میں لکڑی کا استعمال زیادہ کیا گیا۔ ستر سال بعد سن86ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے یہاں بڑے اہتمام سے مسجد بنوائی۔ اس کی تعمیر میں سات سال تک مصر سے حاصل ہونے والی آمدنی صرف کی گئی اور خالص سونے کا کام کیا گیا جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔

آگے چلنے سے پہلے ہم چار نکات کو کلیئر کرنا چاہتے ہیں:

صخراء کی نشاندھی کعب نے کیسے کی؟ پتھر کی اس چٹان کے بارے روایات کی تحقیق، صخرہ کی جگہ مروان بن عبدالملک نے مسجد کیوں بنوائی؟ اور اس کی تعمیر تاریخ کے مختلف ادوار میں۔

1۔صخراء کی نشاندھی کیسے ممکن ہوئی؟

پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ کعب احبار کو صخراء کا علم کیسے ہوا؟ اس کا جواب اس طرح ملتا ہے کہ انہوں نے کچھ عرصہ قبل بیت المقدس کا سفر کیا تھا اور یہاں کسی جاننے والے سے معلوم کیا تھا۔ مسالک الابصار فی ممالک الامصار فضل اللہ العمر کی کتاب(ص41) میں ہے کہ کعب احبار کسی زمانے میں ایلیاء آئے تھے اور ایک یہودی عالم سے اس صخراء کی بابت پوچھا تھا تو اس نے اس کی نشاندھی کی تھی۔ اسی لیے کعب نے حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین ؓ کو صخراء کی جگہ کی نشاندھی کر دی تھی۔ الروض المعطار میں ہے:"عند محمد بن عبد المنعم الحميري، نجد بعض تفاصيل هامة: وسخر عمر انباط أهل فلسطين في كنس بيت المقدس و كانت فيه مزبلة عظيمة و جاء عمر و معه كعب فقال يا أبا إسحق اتعرف موضع الصخرة فقال اذرع من الحائط الذى يلي موضع كذا وكذا ذراعا ثم احفر فإنك تجدها قال وهي يومئذ مز بلة فحفروا فظهرت فقال عمر لكعب أين ترى أن نجعل قبلة المسجد؟ قال اجعلها خلف الصخرة فتجمع القبلتين قبلة موسى و قبلة محمد قال ضاهت اليهود يا أبا إسحق خير المساجد مقدمها قال فبنى القبلة في مقدم المسجد ثم بنى عبد الملك بن مروان مسجد بيت المقدس سنة سبعين و حمل إلى بنيانه خراج مصر سبع سنين وبنى القبلة على الصخرة."یہی تفصیل ابوعبید البکری نے "المسالک والممالک ص125 میں لکھی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں یہودی روایات پھیلانے کا بڑا ذریعہ کعب احبار ہی ہیں۔ چونکہ یہ خود یہودی تھے یہودیت کی تاریخ میں انہیں دلچسپی اور مہارت تھی۔ یہودیت سے محبت

ان کے اندر بہت سرایت کر چکی تھی انہوں نے اسلام قبول تو کر لیا لیکن یہودی روایات سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے اور انہیں بیت المقدس سے بڑا لگاؤ رہا۔ آپ دیکھیں انہوں نے کسی جہاد کے سفر میں شرکت نہیں کی۔ لیکن بیت المقدس کے سفر میں حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چلے آئے اور پھر انہوں نے امیر المومنین کو صخراء کے پیچھے نماز ادا کرنے کا مشورہ دیا جسے امیر المومنین نے رد کر دیا تھا۔ کعب کے دل میں جو احترام تھا اس پتھر کا، اس کا اظہار بھی امیر المومنین دیکھ چکے تھے کہ کعب احبار نے وہاں احتراماً جوتے اتار دیے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کعب کے سینے پر دو ہتھڑ مار کر فرمایا کعب یہودیت ذلیل ہو چکی ہے اور تم کس خیال میں ہو:"فأشار عليه بأن يجعله وراء الصخرة فضربه فى صدره وقال يابن أم كعب ضارعت اليهود." ("المسالک و الممالک ص125 از ابو عبید البکری) کیونکہ امیر المومنین کعب پر کبھی اعتبار نہیں کرتے تھے۔ مزید یہ کہ کعب شہر "بیت المقدس یروشلم" کو ایلیاء کہنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ کسی مقامی خاتون کا نام رہا ہو گا۔ ان کعب احبار کے علاوہ اسلام میں یہودی روایات پھیلانے والے دوسرے شخص وہب بن منبہ ہیں۔ انہی دو نے اس پتھر کے بارے میں ایسی ایسی لایعنی روایات پھیلائی کہ الامان والحفیظ۔

" و قد كان هرقل حين جاءه الكتاب النبوى وهو بايلياء ووعظ النصارىٰ فيما كانوا قد بالغوا فى القاء الكناسة على الصخرة حتى وصلت إلى محراب داؤد قال لهم إنكم لخليق أن تقتلوا على هذه الكناسة مما امتهنتم هذا المسجد كما قتلت بنو اسرائيل على دم يحى بن زكريا ثم أمروا بإزالتها فشرعوا فى ذلك فما ازالو ثلثها حتى فتحها المسلمون فازالها عمر بن الخطاب." (2688)

یروشلم کا نام حدیث میں بھی ایلیا آیا ہے:"حديث أبي هريرة إنما يسافر إلى ثلاثه مساجد مسجد القبل و مسجد إيليا) و حديث هرقل."(صحیح مسلم)

2۔ پتھر کی بابت جھوٹی روایات

پتھر کی اس چٹان بارے یہودیوں کی طرف سے پھیلائی جانے والی جھوٹی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ " یہ جنت کا پتھر ہے ، اللہ کا عرش اسکے اوپر ہے۔"(تاج المفرق فی تحلیۃ علماء المشرق البلوی:48) اس کے اوپر جنت سے سرخ یاقوت اترا تھا جو اتنا منور تھا کہ بلقاء کی عورتیں اس کی روشنی میں سوت کاتا کرتی تھیں۔(نھایۃ الارب فی فنون الادب النویری:94) آسمان میں اس پتھر کی لمبائی بارہ میل ہے ، کسی روایت میں اٹھارہ میل ہے۔ العقد الفرید ابن عبد ربہ الاندلسی992 الکامل فی التاریخ ابن الاثیر المورخ ص(2178) اسی پتھر کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے براق باندھا تھا۔ اس پتھر کے نیچے سے دو یا چار نہریں نکلتی ہیں۔ سیدہ آسیہ کا محل بھی اسی کے نیچے ہے۔(آثار البلاد واخبار العباد لقزوینی: ص63) "وعلى طرفيها أثر قدم النبى ﷺ وذكر أن طول قبة الصخراء كان اثنى عشر ميلا فى السماء و كان على راسها ياقوته حمراء كان فى ضوئها تغزل نساء أهل بلقاء و بها مرابط البراق الذى ركبه النبى ﷺ تحت ركن المسجد." جب قبلہ تحویل کیا گیا (بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ بنایا گیا) تو اس پتھر نے اللہ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا تو بے فکر رہ میں تیرے اوپر اپنا عرش رکھوں گا، روز محشر ساری دنیا یہاں جمع کروں گا تیرے اوپر ہی فیصلے کیے جائیں گے۔

"لما صرفت القبلة نحو الكعبة قالت الصخرة الهى لم أزل قبلة لعبادتك حتى بعثت خير خلقك صرفت قبلتهم عنى قالا ابشرى فإني واضع عليك عرشي و حاشر إليك خلقى و قاض عليك امرى و ناشر منك عبادى." (معجم البلدان یاقوت الحموی 378 اور 1635) علامہ یاقوت الحموی اور نور الدین الحلبی سیرۃ الحلبیہ میں لکھتے ہیں: " صخراء کے پتھر کی عاجزی دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہی میرا مقام ہے، میزان یہیں قائم کروں گا۔ جنت و دوزخ اسی جگہ حاضر کیے جائیں گے۔ عرصہ محشر یہیں برپا ہو گا اور یوم الدین میں یہیں سب کو بدلے ملیں گے: "تواضعت الصخرة فشكر الله لها وقال هذا مقامى و موضع ميزانى و جنتى و نارى و محشر خلقى وانا ديان يوم الدين." (معجم البلدان یاقوت الحموی:1636) سیرۃ الحلبیہ نور الدین الحلبی(37) علامہ شمس الدین شامی لکھتے ہیں، بیت المقدس میں مرے گا وہ آسمانوں پر فوت سمجھا جائے گا۔ "من مات فى بيت المقدس فكانما مات فى السماء."(سبل الهدى والرشاد فى سيرة خير العباد: ص1290) اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی طرف روزانہ دو مرتبہ نظر فرماتا ہے: "إن الله ينظر إلى بيت المقدس كل يوم مرتين."(فضائل القدس ابن جوزی:4)

In the beginning, it must be noted that everything contained in the Islamic heritage of news about the rock is taken in one way or another from the Jewish counterpart; about the relationship between Venus and the rock, which we referred to above; Ibn Khaldun says: "The first thing he ordered was the days of the Sabians, who were placed under the structure of the flower, and they brought the oil close to him and brought it to the rock that was there. Here we find a concept of the Sabean different from what is being circulated today that they are the Iraqi Mandaean group.

بغیر سہارے کے کھڑا پتھر

یہ محض ایک پتھر تھا یہاں پر موجود ایک پہاڑ "ہیکل جبل" کا۔ لیکن اس کی بابت ابھی تک ایسی ایسی بے سروپا کہانیاں پھیلائی جاتی ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ کو اسی پتھر پر سے بر موقع معراج آسمان کی طرف لیجایا گیا، تو پتھر بھی ساتھ اٹھنا شروع ہو گیا تھا۔ حکم دیا گیا۔ رک جاؤ، تو رک گیا اور جہاں تک اٹھا تھا وہیں جم گیا۔ اس طرح کی باتیں سنائی گئیں، پھر بنائی گئیں اور پھر انٹرنیٹ پر دکھائی بھی گئیں، جن میں پتھر اوپر اٹھا ہوا ہے اور نیچے کچھ بھی نہیں۔

میرے باقی ساتھی مسجد قبۃ الصخراء میں پھیل گئے، لیکن میں اپنی خواہش کی تکمیل میں نیچے غار میں اترنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میری بڑی خواہش تھی کہ میں اس پتھر کے نیچے جاؤں، اور اس بے سہارا کھڑے پتھر کو دیکھوں۔ آفتاب صاحب کے ساتھ میں نیچے اترا اور پہلے تو تحیۃ المسجد کے طور پر نوافل ادا کیے۔ پھر پتھر کو اچھی طرح نیچے سے دیکھا بھالا۔ وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ وہ پتھر کہاں ہے جو بغیر کسی سہارے کے اٹھا ہوا ہے، ایک بوڑھے فلسطینی نے بتایا کہ یہ نیچے والا جوڑ لگا نظر آرہا ہے، یہ وہی خلا تھا جسے بعد میں پاٹ دیا گیا۔ لیکن میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ اسے پاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر بامر ربی تھا تو فکر کاہے کا، بے تکلف نیچے سے گزر جایئے۔

بہر حال ساری بے سند باتیں پھیلائی جاتی ہیں۔ ان میں سے یہ جھوٹی بات بھی تھی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی جھوٹی روایات اس پتھر کے بارے میں پھیلائی گئی ہیں۔ خاص طور پر یہود کی جانب سے اس پتھر کی بابت ایسی ایسی حکایات اور ایسے ایسے معجزات روایت کیے گئے، حالانکہ اس پتھر کی بابت ایک روایت بھی صحیح سند سے مروی نہیں ہے۔ پتھروں میں حجر اسود جو کعبۃ اللہ میں لگا ہوا ہے اس کی فضیلت میں مستند روایات تو ہیں لیکن نفع و نقصان کا مالک ہونے کی حجر اسود میں بھی کوئی طاقت نہیں ہے جس طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے، تیرے اندر نفع ہے نہ نقصان، تیرے شرف کی ایک ہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھے بوسہ دیا ہے۔ اگر میں نے آپ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہو تا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا۔

روایات کے صحیح یا جھوٹا ہونے کا معیار اسناد

اللہ تعالیٰ محدثین کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے امت میں روایات کی سند دیکھنے اور تحقیق کرنے کی روایت ڈالی۔ اگر یہ اہتمام اسناد نہ کیا جاتا تو یہ امت راہ راست پہچان ہی نہ پاتی۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ان الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء " ”کہ تمہارا دین سند کے ساتھ مضبوط ہے ورنہ ہر کوئی جھوٹ سچ کہنے میں آزاد ہو تا۔“ امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نخعی فرماتے ہیں کہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو اپنا کر دکھایا کیونکہ انہوں نے اس دین کو رسول کریم ﷺ سے حاصل کیا تھا۔“

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”اسناد حدیث مومن کا ہتھیار ہے اگر ہتھیار نہ ہو تو لڑائی کس کے ساتھ کی جائے گی۔“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر سند ثابت نہ ہو تو روایات میں جھوٹ یا سچ کو کیسے پرکھا جائے گا؟“

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سند حدیث کی مثال سیڑھی کی ہے، اگر سیڑھی نہ ہو تو چھت پر کیسے چڑھا جا سکتا ہے۔“

مشہور محدث حضرت بقی بن مخلد فرماتے ہیں:

” اللہ نے اس امت کو سچ و جھوٹ کے درمیان فرق برتنے کیلئے سند کی تحقیق کا اعزاز دیا ہے۔ ورنہ یہود و نصاریٰ کی طرح روایات میں الجھاؤ ہی ہو تا۔“ مزید فرماتے ہیں: ”سچائی اور کذب کے درمیان ایک ہی حد فاصل ہے وہ ہے روایت کی سند۔ اس کے سوا باقی سب شیطان کے وساوس ہیں۔“

حضرت سعید بن قطان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”حدیث کو نہیں سند کو دیکھو اگر وہ صحیح ہے تو حدیث مان لو ورنہ رہنے دو۔“ (یہ تفصیلات مقدمہ صحیح مسلم۔ از امام النووی، شرف اصحاب الحدیث از خطیب بغدادی، منہاج السنۃ ج 4۔ از امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کتب اصول حدیث میں موجود ہیں)

3۔ مروان نے قبۃ الصخراء کو مسجد کیوں بنایا؟

صاف پتہ چلتا ہے کہ صخراء (چٹان) کی کوئی خصوصیت نہ تھی صرف بے سر و پا روایات کے سہارے اسے اتنی عظمت دی گئی۔ جبکہ بنی اسرائیل اتنی زیادہ اہمیت دینے کے باوجود اس پر کوئی یادگار نہ بنا سکے تھے، بلکہ اسے کوڑا کرکٹ کی جگہ بننے سے بھی نہ روک سکے۔ اسلامی دور میں یہ چٹان دریافت کی گئی۔ اور ستر سال بعد اس جگہ کو مسجد بنایا گیا اور اس کی تعمیر کا بڑا اہتمام کیا گیا خالص سونے کا اس میں کام کیا گیا۔ حالانکہ اگر اس چٹان کی کوئی اہمیت ہوتی تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ضرور اس کا اہتمام کرتے۔ انہوں نے تو یہاں دو نفل پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ صرف چٹان کو گندگی سے صاف کرایا اور بس۔ موجودہ شکل بھی حضرت فاروق اعظم کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ ستر سال بعد مروان بن عبد الملک کے دور میں اس جگہ کو خصوصی اہتمام کے ساتھ مسجد بنایا گیا۔۔ لیکن کیوں۔۔؟ اس کی تفصیل جب عربی کتابوں میں پڑھی تو میں حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔ اور اس چٹان پر اس قبے کے اہتمام کی اصل وجہ سامنے آئی۔ چونکہ کسی بھی سفر نامے میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ میں پورا ایک ماہ صرف کر کے اس مضمون کو ترتیب دے سکا ہوں۔ دل و دماغ کی چپقلش نے مجھے بڑا حیران کیا۔

مروان بن الحکم الاموی جسے سولہ سال کی عمر میں 26ھ میں شام کا گورنر بنایا گیا تھا۔ اور 86ھ تک اس عہدے پر فائز رہا۔ (استعملہ معاویہ بن ابی سفیان وھو ابن ستۃ عشرۃ سنۃ) اس نے 73ھ میں یہاں مسجد بنائی۔ صخراء (چٹان) کو مسجد کی جگہ بنانے میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لی؟ تاریخ یعقوبی میں لکھا ہے کہ اس کی تعمیر پر سات سال تک

مصر سے وصول شدہ ٹیکس خرچ کیا گیا اور اس کے علاوہ رومی بادشاہ نے بھی مسجد الصخرۃ بنانے کیلئے بڑا حصہ ڈالا۔ (تاریخ یعقوبی: 214) اس اہتمام کی وجہ علامہ ابن کثیر ؒ جیسے ثقہ مورخ نے البدایہ والنہایہ میں (ص3086) میں اور علامہ دمیری نے حیاۃ الحیوان (ص 63 اور 412) میں، اور ابن تغری بردی نے النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ میں بیان کی ہے کہ "اس دور میں مکہ مکرمہ پر حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ کی حکومت تھی۔ حج کے موقع پر وہ لوگوں کو بنو امیہ کے مظالم سے آگاہ کیا کرتے تھے۔ مروان نے سوچا کہ ابن زبیر ؓ کے پروپیگنڈے سے لوگ متاثر ہوسکتے ہیں تو اس نے اہل شام کو (64 سے 72 تک) حج پر جانے سے روک دیا۔ جب لوگوں نے اس پابندی کو چیلنج کرنا شروع کر دیا تو اس نے بیت المقدس میں موجود صخراء پر نظر التفات ڈالی اور اس چٹان کو خاص طور پر حج کے متبادل جگہ بنانے کیلئے ٹارگٹ کیا۔ اور رجا بن حیوۃ اور یزید بن سلام جیسے چوٹی کے فن تعمیر کے ماہر لوگوں کو یروشلم بھیجا۔ ان کے ساتھ کافی تعمیری مال و متاع حتیٰ کہ کاریگر اور مزدور بھی بھیج دیے۔ سات سال کی مسلسل محنت سے جب یہ قبہ تعمیر ہوگیا، اہل شام کو یہاں حج کرنے اور حجر اسود کا متبادل باور کرانے کا حکم دیا۔ پھر عرض کر رہا ہوں کہ میں شاید اس روایت کو نظر انداز کر دیتا اگر ابن کثیر جیسا ثقہ تاریخ نگار اس روایت کو تفصیل سے ذکر نہ کرتا۔

The king built the dome on the rock and the al-Aqsa Mosque to occupy them from the Hajj and their hearts, and they stood at the rock and roamed around it as they toured the Kaaba.

So they opened their own heads, so he opened himself to the fact that the son of al-Zubayr was against him, and he used to curse him in Makkah. He said: "I do not have the right to do that." When King Abdullah wanted to build the house of Jerusalem, he turned to him with money and laborers. He took the work of Raja ibn Haywa and Yazid ibn Salam of his house. He collected the craftsmen from the country and sent them to the Holy City. He sent him with the great wealth of money. He ordered Raja ibn Haywa to increase the money. "(Al-Bidayah walnnihayah 3086

ان کے علاوہ ایک جہان یہی بات کہتا ہے کچھ کے نام میں نے اوپر ذکر کیے اور کچھ مزید ملاحظہ فرمائیں۔ (صبح الاعشیٰ القلقشندی: 566؛ المختصر فی اخبار البشر از ابو الفداء: ص22؛ تاریخ مکہ المشرفہ والمسجد الحرام ابن الضیاء: ص140؛ الاعلاق الخطیرۃ فی ذکر الشام والجزیرۃ ابن شداد: ص111؛ المسالک والممالک ابو عبید البکری: 125)

قبۃ الصخراء کی تزئین و آرائش کے مختلف مراحل

قبۃ الصخراء کی موجودہ شان و شوکت آپ سے آپ اس مرحلہ تک نہیں پہنچی بلکہ اسے چودہ سو سال کی لگن درکار تھی۔ مروان کے بعد ابوالمنصور نے اس کی نگرانی کی اور ہر آنے والا بادشاہ پہلے کی نسبت اس عمارت کا زیادہ خیال کرتا رہا۔ درمیان میں ایک موقع ایسا بھی آیا جب صلیبی قابضین نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بہادر جرنیل نے تاریخ کا یہ سیاہ باب بند کر کے نئے سرے سے مسجد اقصیٰ، محراب اور قبۃ الصخراء کی اصل حیثیت بحال کر دی۔ اور اس کیلئے اسے 16 طویل جنگیں ان خونخوار قابضین کے خلاف لڑنا پڑیں۔ سارے یورپ کا کفر اس وقت صلیبیوں کے جھنڈے تلے زندگی و موت کی جنگ سمجھ کر لڑنے میں مستعد تھا۔ مگر سلطان کی بہادری، ذہانت، رحمدلی، خداخوفی اور انصاف پروری نے پانسا ہی پلٹ ڈالا۔ کثر اللہ امثالہ۔ اللہ اسے امت اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّـهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّـهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ صلاح الدین ایوبی کی وفات صرف 53 سال کی عمر میں ہوگئی، ان کے کئی کام ادھورے رہ گئے تھے۔ جن میں اسے ایک کام "مسجد و گنبد قبۃ الصخراء" کی بحالی کا بھی تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے الملک المظفر نے اسے جاری رکھا اور سلطان کے چھوڑے ہوئے منصوبوں کی تکمیل کی۔ پھر تیرہویں صدی میں اس کی تعمیر جدید کی گئی، سولہویں صدی میں سلطان سلیمان المذھل کے دور میں اس پر سات سال تک کام ہوتا رہا۔ گنبد کے اندرون میں سورہ یٰسین کندہ کی گئی، اور سترہویں صدی عیسوی میں اس پر قرآنی آیات تحریر کی گئیں، سورہ الاسراء جس میں واقعہ معراج کا تذکرہ ہے وہ بھی کندہ کی گئی، اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں عثمانیوں کے دور میں گنبد صخراء کو چاروں طرف ٹائلوں سے ڈھانک دیا گیا۔ ترکی سلطان عبدالعزیز کے دور میں اس گنبد کی ہشت پہلو سے توسیع کی گئی۔ مزید اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کی خاطر نقش نگاری کی گئی اور 1927 میں سخت زلزلہ آیا۔ جس نے گنبد صخراء کو شدید نقصان پہنچایا۔ پھر اس کی مرمت کی گئی۔ 1955 میں سخت بارشوں سے قبۃ الصخراء پر ایستادہ لکڑی کا گول فریم ناکارہ ہوگیا تھا۔

تب نئے سرے سے اس قبہ کی تعمیر کروانے کیلئے اٹلی کی ایک کمپنی کو ٹھیکہ دیا گیا۔ اس نے اس کی تیاری میں تانبے، المونیم اور کئی قسم کی دھاتوں کے علاوہ سیاہ لیڈ کو بھی شامل کیا۔ ان دھاتوں سے بنے ہوئے کئی گنبد یروشلم میں اب بھی موجود ہیں۔ لیکن سیاہ لیڈ کی وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ بنائے گئے گنبد سیاہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ 1959ء تک اس گنبد میں بھی دیگر گنبدوں کی طرح سیاہ لیڈ شامل رہی۔ اور اس وجہ سے بھی اس کا رنگ کالا ہوگیا تھا۔ جو ذوق و احساس پر گراں گزرتا تھا۔ اس لیے 1962 میں حکومت اردن نے اس کے ڈھانچے کو دوبارہ بنانے کا بیڑہ اٹھایا۔ 1965ء میں قبہ میں المونیم کا جال باندھا گیا اور اس کے اوپر سونے کا پتر چڑھانے کا منصوبہ اعلان کر دیا۔ عالم اسلام کے مختلف ممالک نے دل کھول

کر اس کام میں حصہ لیا۔ 1993 میں اردن کے شاہ حسین مرحوم نے اس پر مزید 80 کلو سونے کا پتر چڑھانے کا اعلان کر دیا۔ جس پر اندازہ تھا کہ 8.2 ملین ڈالر خرچ آئیں گے۔ شاہ حسین مرحوم نے اپنا لندن والا مکان بھی بیچ کر اس کی ساری رقم گنبد صخراء کی آرائش پر لگادی۔ اب کہا جاتا ہے کہ اس کے اوپر دو سو کلو سونے کا کام ہو چکا ہے۔ جس نے اس عمارت کو نہ صرف یروشلم کی سب سے خوبصورت مذہبی عمارت بنا ڈالا بلکہ دنیا میں بھی بالکل منفرد شان و شوکت عطا کر رکھی ہے۔ بعد ازاں اس طرز تعمیر کو دنیا میں کئی جگہ نقل بھی کیا گیا۔ جیسے اٹلی میں St. Giacomo کا چرچ، استنبول میں سلطان سلیمان العظیم کا مقبرہ، بڈاپسٹ میں یہودیوں کا سینی گاگ Synagogue in Budapest اور جرمنی میں نئی بنائی جانے والی یہودی عبادتگاہ میں بھی گنبد صخراء کی نقل کی گئی ہے۔ اگر آپ صحن اقصیٰ میں کھڑے ہو کر درختوں کے جھنڈ سے دائیں طرف جھانک کر دیکھیں۔ تو دور جبل زیتون کے نشیب میں ایک چرچ نظر آئے گا جس کے گنبدوں پر سونا جڑا ہوا ہے۔ لیکن یہ گنبد چھوٹے چھوٹے اور بے کیف سے لگتے ہیں۔ خاص طور پر گنبد صخراء کے سامنے۔ کہا جاتا ہے کہ ویٹیکن سے جناب پوپ جان صاحب نے یہاں کا دورہ کرتے ہوئے دنیا کے عظیم الشان گنبد صخراء کو دیکھ کر پوچھا کتنا سونا اس کے اوپر جڑا گیا ہے؟ جب انہیں بتایا گیا کہ 200 کلو، تو انہوں نے اس چرچ پر دو سوا ایک کلو سونا جڑنے کا حکم دیا۔ نقل نقل ہی ہوتی ہے خاص طور پر جو ضد کی وجہ سے ہو۔ جیسے بادشاہی مسجد کے پہلو میں سکھوں نے مڑھی بنائی لیکن وہ بادشاہی مسجد کے ساتھ ایسے لگتی ہے جیسے پہلوئے حور میں!۔

4۔ یہ قبۃ الصخراء ہی مسجد اقصیٰ نہیں ہے

جس طرح کہ ہم نے تفصیل سے اوپر لکھا ہے کہ مسجد اقصیٰ وہ ہے جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی تھی اور آجکل اس جگہ کو مسجد قبلی کہا جاتا ہے۔ اس چٹان سے نبی ﷺ کا آسمانوں کی طرف سفر شروع ہوا تھا۔ ظاہر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز صائب تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں دو نفل پڑھے یا پڑھائے۔ صخرہ یعنی اس چٹان پر نہیں اور اس چٹان کو مسجد حضور انور ﷺ نے قرار دیا، نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بلکہ 73ھ میں مروان نے اس پتھر کو مسجد کے طور پر بنایا اور اس کے اوپر قبہ تعمیر کیا تاکہ حج کی جگہ باور کی جائے۔ آج بے علمی کی وجہ سے قبۃ الصخراء کو مسجد اقصیٰ کے نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جس سے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ صرف یہی مسجد اقصیٰ ہے۔ جس کا بدیہی مفہوم یہ نکلتا ہے کہ خدانخواستہ اس جگہ کو اگر اہل یہود کسی سازش کے تحت نقصان پہنچادیں، تو مسجد اقصیٰ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا یا اس کے علاوہ باقی مسجد اقصیٰ کو منہدم کر دیں اور گنبد کو کچھ نہ کہیں تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ مسجد اقصیٰ محفوظ سمجھی جائیگی؟ ہر گز نہیں مسجد اقصیٰ پورے 144 ایکڑ اراضی کا نام ہے جس میں ہر قسم کی بلڈنگ تہہ خانہ یا خالی ایریا شامل ہے (امام اہل سنہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے) اور موجودہ مسجد اقصیٰ جسے جانب قبلہ ہونے کی وجہ سے مسجد قبلی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پورا ایریا مسجد اقصیٰ ہے اور مسلمانوں کا قبلہ اول، جہاں کم و بیش دو ہزار اور بیرونی احاطوں میں تقریباً سات ہزار افراد اور مصلی مروانی کو اگر شامل کر لیا جائے تو چودہ ہزار مسلمان سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ اس لیے صرف گنبد صخراء کو ہی مسجد اقصیٰ سمجھنا یا قرار دینا درست نہیں ہے۔ اگر کبھی یہود نے سازش کر کے اس پورے ایریے کو نقصان پہنچایا تو مسلمان مسجد اقصیٰ کی اہانت کو کبھی قبول کر نہیں سکتے۔ بعض حضرات قبۃ الصخراء کو مسجد اقصیٰ باور کرانے کو یہودی پروپیگنڈے یا سازش کا شاخسانہ بھی قرار دیتے ہیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کا ہنسنا، مسکرانا اور مزاح فرمانا

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب، ڈڈلی

(قسط 43)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا!

مضبوط گٹھا ہوا اور پھرتیلا جسم، کشادہ سینہ، بارعب چہرہ، عقابی نگاہیں، بلند خیالی، شعلہ نوائی اور پختہ ارادی کا قابل رشک نمونہ، ظاہری و باطنی حسن و جمال اور جاہ و جلال کا پیکر، شجاعت، بہادری اور جرات میں بے مثال، شہسواری، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کا ماہر، بے خوف، زندہ دل اور مہم جو، غزوہ احد میں مہارت، جرأت مندی اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجاہدین کا شیرازہ بکھیرنے والا جوان رعنا، غزوہ موتہ میں اپنی شجاعت اور حسن تدبیر سے مٹھی بھر مجاہدین کو دشمن کے نرغے سے سلامتی و حفاظت سے نکال لانے والا جواں مرد و مدبر قائد، روم و فارس کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دینے والا ایک عظیم جرنیل، میدان کارزار میں دشمنوں کی صفوں کو چیرنے والا ایک بہادر و نڈر جنگجو، اعدائے اسلام کے سروں پر لٹکنے والی شمشیر بے نیام جس کی بہادری و بے جگری سے کفار کے دل دہشت زدہ ہو گئے، جس کے طوفانی حملوں اور فتوحات سے دنیا محو حیرت ہو گئی، جسے شاہ امم سلطان مدینہ ﷺ نے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب دے کر نشان حیدر عطا کیا۔ جو پوری دنیا کی عسکری تاریخ میں ایک عظیم جرنیل کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ فتح و نصرت جس کی قدم بوسی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ جس کی جنگی مہارت کے اپنے تو کیا بیگانے بھی معترف تھے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے نہایت پھرتیلے، چاق و چوبند اور جرأت مند تھے۔ قبیلہ بنو مخزوم کے سردار ولید بن مغیرہ کے فرزند ارجمند ہونے کے سبب قبیلے کے ہر فرد کی آنکھ کا تارا تھے۔ جوان ہو کر آپ کے تدبر اور شجاعت کا رنگ اور نکھرا۔ آپ بنو مخزوم کے قابل رشک جوانوں میں شمار ہونے لگے۔ سڈول جسم میں بلا کی کشش تھی، دور جاہلیت میں اشراف میں شمار ہوتے تھے۔ بدر سے لے کر حدیبیہ تک قریش کے لشکر کی کمان ان کے سپرد رہی، اس کے بعد ان کا سینہ اسلام کی نورانی کرنوں سے منور ہو گیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی نہایت دلچسپ و دل آویز ہے۔

طبقات ابن سعد میں حارث بن ہشام کے حوالے سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تقریباً ہر معرکے میں رسول اکرم ﷺ کے مقابلے میں خم ٹھونک کر آیا ہوں۔ لیکن ہر مرتبہ آپ کا رعب و دبدبہ میرے دل پر طاری ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی محبت میرے دل میں پیدا کر دی۔ ایک دفعہ جب رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو میدان جنگ میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے میں نے دل میں سوچا کہ یہ بڑا مناسب موقع ہے، اگر اس وقت حملہ کر دیا جائے تو مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے روک لیا ہے۔ پھر آپ نے اسی میدان میں عصر کی نماز پڑھائی پھر دل میں خیال آیا کہ ان کی پردہ غیب سے حفاظت ہو رہی ہے۔ یقیناً خطہ عرب بلکہ پوری دنیا پر غالب آ جائیں گے۔

جب قریش سے مصالحت کرنے کے بعد آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ واپس مدینہ پلٹ گئے تو میں نے سوچا، اب کیا ہو گا؟

یہ خیالات میرے دل میں آنے لگے کہ کیا میں حبشہ چلا جاؤں؟ وہاں کا حکمران نجاشی تو پہلے ہی محمد ﷺ کا دامن گیر ہو چکا ہے اور آپ کے ساتھی وہاں امن کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کیا شاہ ہرقل کے پاس چلا جاؤں اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت اختیار کر لوں یا خطہ عرب کو خیرباد کہتے ہوئے کسی عجمی ملک کی راہ لوں یا اپنے گھر میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں۔ غرضیکہ خیالات کا ایک سیل رواں تھا کہ تھمتا ہی نہیں تھا۔ انہی خیالات میں گم تھا کہ میرے بھائی کا تحریری پیغام مجھے ملا جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ میرے بھائی نے بڑے ہی پیار بھرے انداز میں مجھے لکھا: "بھائی جان! میرے آقا دوجہاں کے سردار شاہ امم سلطان مدینہ ﷺ نے ایک روز مجھ سے پوچھا خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! اللہ ایک دن ضرور میرے بھائی کو آپ کے قدموں لے آئے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ میرا ذہین و فطین اور لئیق و فہیم بھائی اسلام جیسی نعمت سے محروم رہ جائے۔"

اس پیغام سے میرے دل میں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہوئی اور اس سے مجھے مسرت ہوئی کہ رسول اقدس ﷺ نے مجھے یاد کیا۔ میرے تو بخت جاگ اٹھے۔ اسی دوران ایک رات گہری نیند سویا ہوا تھا کہ مجھے ایک خواب آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک تنگ و تاریک اور بے آب و گیاہ جگہ سے سرسبز و شاداب اور کھلے میدان کی طرف جا رہا

ہوں۔ آنکھ کھلی تو میرے دل میں ایک خوش گوار احساس پیدا ہوا اور مدینہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میرے دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگی کہ کاش سوئے مدینہ جانے والا کوئی راہی مل جائے جس کا میں رفیق سفر بن سکوں۔

میں نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے اپنے دلی ارادے کا اظہار کیا تو وہ بخوشی میرے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم دونوں دیدار نبی ﷺ کا خیال نہاں خانہ دل میں سمائے ہوئے مدینہ رواں دواں ہوئے۔ دوران سفر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کشاں کشاں چلے آرہے ہیں۔ میں نے اسے خوش آمدید کہا۔ اس نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا، اسلام قبول کرنے مدینے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہی لگن مجھے بھی مدینہ کھینچے لیے جا رہی ہے۔ ہم تینوں ساتھی شاداں و فرحاں، خراماں خراماں سوئے منزل چلتے ہوئے یکم صفر 8 ہجری کو مدینہ طیبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ میں نے نہایت ادب واحترام سے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا، آپ نے مسکراتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا:

میں نے سلام عرض کیا، تو آپ ﷺ نے خندہ پیشانی سے جواب دیا، شرمندگی سے میری نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دی۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھتے ہی عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ)! میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے۔ تو رسول اقدس ﷺ نے محبت بھرے انداز میں ارشاد فرمایا:

"خالد! تمہاری عقل ودانش اور فہم وفراست کی بنا پر مجھے بہت امید تھی کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور اسلام قبول کر لو گے۔"

میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عرض کی:

یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے لیے بارگاہ رب کریم میں دعا کیجیے کہ وہ میرا یہ گناہ معاف کر دے جو میں بزور شمشیر لوگوں کو راہ اسلام سے روکتا رہا اور بزور بازو مسلمانوں کے لیے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرتا رہا۔

آپ نے میری یہ پریشانی دیکھتے ہوئے نہایت ہی شفقت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا:

" خالد! گھبراؤ نہیں۔ اسلام قبول کرنے سے دور جاہلیت کے سب گناہ ازخود مٹ جایا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے باوجود میری التجا ہے کہ آپ میرے لیے بارگاہ ایزدی میں دعا کریں۔

آپ نے میرے حق میں یہ دعا کی:

"الٰہی! خالد بن ولید کو بخش دے۔

الٰہی! خالد بن ولید پر رحم کر۔

الٰہی! اس کی جملہ خطائیں معاف کر دے، بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور آپ کے بابرکت ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے آغوش اسلام میں پناہ گزیں ہوئے۔ (جرنیل صحابہ، تالیف مولانا محمود احمد غضنفر، لاہور)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے

شجاعت، بے خوفی، استقلال، علم وحکمت اور عقل وخرد کا پیکر، ذکاوت وفطانت، عزم وہمت اور فصاحت وبلاغت کے دھنی، جذبات وعواطف، قلب ونظر اور احساسات پر مکمل قابو پانے والا جوان رعنا، پاک دامن، شریف النفس اور عبادت گزار راہنما، سیادت، قیادت، سیاست اور امارت میں ید طولیٰ رکھنے والا جرنیل، مشکلات ومصائب میں پھنسے ہوئے لشکر اسلام کو اپنے تدبر اور تجربہ کی بنا پر آن واحد میں چھٹکارا دلانے والا عظیم قائد، ہر بات کا برملا اظہار کرنے والا، جری، بہادر اور پر خطر وادیوں میں بے دھڑک کود پڑنے والا مدبر سپاہی، قد چھوٹا اور گٹھا ہوا، پیشانی کشادہ، چہرہ کھلا ہوا، آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی، دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی سردار چلا آرہا ہے۔

اگرچہ اس دور میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اوائل عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، جوانی قریش کے نوجوانوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزری، شعر وشاعری میں شغف محض دل کو بہلانے کے لیے تھا، پوری زندگی اس سے مدح سرائی یا ہجو گوئی کا کام نہ لیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا۔ اے عمرو! آپ کی عقل ودانش، فہم وفراست کو جب دیکھتا ہوں، تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ آپ کو سب سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہیے تھا۔ میں نے کہا:

"اے عمر! انسانوں کے دل اس ذات کی قبضے میں ہیں، جس نے ہمیں پیدا کیا۔ اس نوعیت کی سعادت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب اسے منظور ہو، اس میں انسان کی عقل وفراست کا کوئی دخل نہیں۔ اب بھی یہ سعادت نصیب ہوئی تو میں اسے اپنے لیے خوش قسمتی سمجھتا ہوں اور میں اس وقت کو اپنے لیے سرمایہ حیات سمجھتا ہوں کہ جب رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔

عظیم جرنیل، کامیاب سیاستدان، جرات وشجاعت کا پیکر، میدان جنگ کا بہادر، نڈر سپاہی، عراق، فلسطین اور شام میں تہلکہ مچا دینے والا سپہ سالار، مصر میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے والا مدبر وعادل حکمران، اپنی کمان فوج کی ہر دم حفاظت کا خیال رکھنے والا محتاط اور چوکس قائد، شاہ

روم ہرقل اور شاہ مصر مقوقس کو دندان شکن جواب دینے والا ایک کامیاب و قابل رشک اسلامی سفیر جس کی حاضر جوابی اور فصاحت وبلاغت سے ہی شاہی درباروں میں سناٹا طاری ہو جاتا، اپنی بھرپور زندگی پورے ٹھاٹھ باٹھ سے بسر کرنے کے بعد 43 ہجری عید الفطر کے دن راہی ملک عدم ہوا۔(جرنیل صحابہ، از مولانا محمود احمد غضنفر)

جنگ خندق کے وقت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رسول اکرم ﷺ متبسم ہوگئے!

ہجرت سے تقریباً سات سال پہلے مکہ مکرمہ میں رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قریش کے ہاتھوں ظلم وستم کا نشانہ بنتے ہیں، تبلیغی میدان میں آپ ﷺ پر مسلسل حزن وملال، غم واندوہ اور مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ اسی تلاطم خیز دور میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک خوشی کی لہر دوڑتی ہے، کسی نے آپ کو خوش خبری سنائی کہ ام ایمن کے گھر اللہ نے بیٹا عطا کیا ہے۔ یہ خبر سن کر آپ کے روئے انور پر بے انتہا خوشی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ خوش بخت نومولود کون ہے، جس کی ولادت پر رسول اقدس ﷺ کو اس قدر خوشی ہوئی؟

یہ نومولود اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی رسول کریم ﷺ کی اس بے انتہا خوشی پر کوئی تعجب نہ ہوا کیونکہ سب اس نومولود کے والدین کا حضور ﷺ کے ساتھ قریبی تعلق جانتے تھے۔ اسامہ کی والدہ برکت نامی ایک حبشی عورت تھی، جو ام ایمن کے نام سے مشہور ہوئی اور یہ رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی کنیز بھی رہ چکی تھی۔ انہیں یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب رسول اقدس ﷺ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں لیا اور آپ ﷺ کی نگہداشت کی۔

آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ام ایمن میری ماں کی مانند ہے اور یہ میرے اہل بیت میں سے ہے۔ یہ تو ہے اس خوش نصیب نومولود کی والدہ محترمہ کا تعارف، جبکہ اس کا باپ تو وہ محبوب رسول ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جسے آپ ﷺ نے اپنا لے پالک بیٹا قرار دیا۔ سفر وحضر میں اسے آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں راز دان رسول ﷺ ہونے کی سعادت بھی ان کے حصے میں آئی۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی ولادت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خوش ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ جو چیز رسول مکرم ﷺ کی خوشی کا باعث بنتی وہی صحابہ کرام کی خوشی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے نواسے سیدنا حسن بن فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہم عمر تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو اپنے نانا رسول اقدس ﷺ کی طرح حسین وجمیل تھے، لیکن اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی حبشی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی طرح سیاہ رنگ اور چپٹی ناک والے تھے، لیکن رسول اکرم ﷺ دونوں سے یکساں پیار کرتے تھے۔ شفقت بھرے انداز میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک ران پر بٹھا لیتے اور حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر۔ کبھی دونوں کو اپنے سینے سے لگاتے اور یہ دعا کرتے:

"الٰہی میں ان دونوں بچوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی انہیں اپنا محبوب بنا لے۔ غرضیکہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کو بہت پیار تھا، ایک دفعہ اسامہ رضی اللہ عنہ دروازے کی دہلیز پر لڑکھڑا کر گر پڑے، جس سے پیشانی پر زخم آیا اور خون بہنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس کا خون صاف کرو اور سیدہ عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کسی کام میں مصروف تھیں تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے بہتا ہوا خون صاف کیا۔

قریشی سردار حکیم بن حزام نے ایک قیمتی لباس رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ جسے اس نے یمن سے پچاس دینار میں خریدا تھا اور یہ فاخرانہ لباس شاہ یمن کے لیے بطور خاص تیار کیا گیا تھا۔ یہ بہترین لباس جو آپ نے صرف ایک مرتبہ جمعہ کے روز پہنا تھا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیا اور وہ یہ لباس پہن کر صبح وشام شاداں وفرحاں اپنے مہاجر وانصار نوجوان ساتھیوں کے پاس آیا کرتے تھے۔

غزوہ خندق میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اپنے ہم عمر نوجوانوں کے ہمراہ میدان کی طرف نکلے تو اپنے پنجوں کے بل اونچے ہو کر چلنے لگے کہ کہیں آج بھی نوعمری کی بنا پر جہاد میں شریک ہونے سے محروم نہ کر دیا جاؤں، ان کی یہ حالت دیکھ نبی اکرم ﷺ متبسم ہوئے اور انہیں جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ جب سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کے لیے تلوار اٹھائی، اس وقت آپ کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔

(جرنیل صحابہ از مولانا محمود غضنفر)



مقدمہ مسجد بندھانیاں

1902ء۔ با جلاس جسٹس ریڈ چیف جسٹس، جسٹس چیٹر جی و جسٹس کننگٹن

خدا بخش سائل بنام قیصر ہند رسپانڈنٹ۔ بصیغہ نگرانی۔ مقدمہ

نگرانی فوجداری نمبر 1332 بابت 1901ء

خلاصہ مقدمہ ضمانت حفظ امن، مجموعہ ضابطہ فوجداری مجریہ 1898ء دفعہ 107۔

مسجد عام: عبادت کے وقت لفظ آمین کو زور سے بولنے کا استحقاق۔ فعل بے جا

چونکہ دفعہ 107 مجموعہ ضابطہ فوجداری کی رو سے کسی مجسٹریٹ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ کسی شخص کو اپنے جائز حقوق کے استعمال میں لانے سے منع کرے۔ لہذا جس صورت میں ایک شخص پر یہ الزام لگایا گیا کہ غالباً نقض امن کا باعث ہو گا یا آسائش عامہ میں خلل انداز ہو گا اس طرح سے کہ اس محلہ کی مسجد میں جس میں وہ رہتا تھا، نماز میں شامل ہونے کے وقت لفظ آمین کا زور سے استعمال کرتا تھا۔ اور وہ محلہ کسی خاص فرقہ کے لئے قطعی مخصوص نہیں کیا گیا تھا۔ اور نامبردہ سے ضمانت حفظ امن برائے شش ماہ حسب دفعہ 107 لی گئی، تو یہ قرار دیا گیا کہ حکم خلاف قانون تھا کیونکہ وہ فعل جس کی شکائت کی گئی، ایک فعل بے جا نہ تھا۔ اور اس امر سے کہ شائد دیگر عبادت کنندگان اس کے طریق عبادت پر اعتراض کریں مجسٹریٹ کی یہ کاروائی جائز نہیں ٹھہرتی کہ نامبردہ کو بموجب دفعہ 107 مجموعہ ضابطہ فوجداری ضمانت داخل کرنے کا حکم دے۔

مقدمات ذیل بطور نظیر پیش کئے گئے۔

کاشی چندر داس بنام ہر کشور داس (جلد نوز دہم و یکلی رپورٹ ص 47 فوجداری)۔ بمعاملہ شیو سرن لال (جلد سوم کلکتہ لاء رپورٹ ص 280)

قیصر ہند بنام شمبھو ناتھ (نمبر 21 پنجاب ریکارڈ 1888ء فوجداری)۔

گنگو بنام احمد اللہ؛ فضل کریم بنام مولا بخش؛

قیصر ہند بنام رمضان؛ اور عطاء اللہ بنام عظیم اللہ

درخواست نگرانی بابت حکم کپتان ایم ڈبلیو ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ دہلی

مورخہ 16۔ اکتوبر 1901ء

مسٹر محمد شفیع منجانب سائل اور گورنمنٹ ایڈوکیٹ منجانب رسپانڈنٹ حاضر ہیں۔ مقدمہ اجلاس بنچ میں بذریعہ حکم ذیل حاکم باجلاس کمرہ واحد کے مرسل کیا گیا تھا۔

13 جنوری 1902ء۔ ریڈ، چیف جسٹس:

سائل سے بموجب دفعہ 107 مجموعہ ضابطہ فوجداری ضمانت حفظ امن برائے شش ماہ لی گئی ہے۔ وہ فعل جس کا الزام اس طرح پر لگایا گیا ہے کہ اس سے غالباً نقض امن واقع ہو گا یا آسائش عامہ میں خلل ہو گا، یہ ہے کہ اس محلہ کی مسجد میں جس میں سائل رہتا ہے نماز میں شامل ہونے کے وقت لفظ آمین زور سے بولا گیا۔ یہ مسجد بندھانیاں مسجد ہے اور سائل غیر مقلد۔ یہ تجویز نہیں کیا گیا ہے کہ سائل غالباً نقض امن کا مرتکب ہو گا یا آسائش عامہ میں خلل ڈالے گا۔ تجویز یہ ہے کہ اس کے فعل سے غالباً دیگر اشخاص نقض امن کا باعث ہوں گے، یا آسائش عامہ میں خلل انداز ہوں گے۔

اس تجویز کی رو سے دفعہ 107 (1) کے بموجب ضرور ہے کہ وہ فعل جس کا الزام لگایا گیا ایک بے جا فعل ہو، اور ایسے فعل سے جو بے جا نہیں ہے حکم حسب دفعہ مذکور جائز نہیں ٹھہرتا جیسا کہ بمقدمہ کاشی چندر داس بنام ہر کشور داس تحریر کیا گیا تھا۔ یہ منشا نہیں ہے کہ کسی شخص کو کوئی مجسٹریٹ اپنے حقوق کے استعمال سے بایں وجہ منع کرے کہ اگر وہ ایسا کریگا تو ایک اور شخص غالباً نقض امن کا مرتکب ہو گا۔ معاملہ شیو سرن لال اور مقدمہ قیصر ہند بنام شمبھو ناتھ اسی مضمون کے ہیں۔ مجموعہ ضابطہ فوجداری کی ترمیم فیصلہ مندرجہ ویکلی رپورٹر کے اصولوں کی بنا پر ہوئی ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے لفظ آمین حسب گفتہ ملزم کے جواز پر غور کرنے سے انکار کیا اور اپیل سائل کا تصفیہ سرسری طور سے کیا۔

بمقدمہ جنگو (گنگو) بنام احمد اللہ (انڈین لاء رپورٹ جلد سیز دہم الہ آباد ص 419) چیف جسٹس نے نصف سے زیادہ حکام اجلاس کامل کے فیصلہ کو صادر کرتے وقت یہ لکھا:۔

یہ ایسا نہیں کیا گیا ہے کہ مدعیان نے بر وقت عبادت خود آمین کو زور سے بدنیتی کے ساتھ بولا، صرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مدعیان اس رسم سے، جو ادا کی گئی، ناراض تھے۔ یہ بطور امر واقعہ کے تجویز کیا گیا ہے، کہ مدعیان مسلمان ہیں اور یہ تجویز نہیں کیا گیا ہے کہ انہوں نے مسجد میں کوئی ایسی چیز کری یا کرنی چاہی جو مسلمانوں کی شریعت کے خلاف تھی۔

مقدمہ فضل کریم بنام مولا بخش (انڈین لاء رپورٹ جلد سیز دہم کلکتہ ص 448 و پریوی کو

نسل) بھی یہ قرار دینے کے لئے سند ہے کہ سائل نے اس وقت کوئی فعل بے جا نہیں کیا کہ جب مسجد میں نماز میں شامل ہونے کے وقت اس نے لفظ آمین باآواز بلند کہا۔ بمقدمہ قیصر ہند بنام رمضان (انڈین لاء رپورٹ جلد ہفتم الہ آباد ص 461۔ اجلاس کامل) سوال زیر غور یہ تھا کہ آیا سائلان نے جرم حسب دفعہ 296 مجموعہ تعزیرات ہند کا ارتکاب کیا ہے، یعنی مسجد میں لفظ آمین باآواز بلند کہہ کر عبادت کنندگان کو خلل پہنچایا۔ جسٹس محمود نے ایک طویل اور باحتیاط غور کئے ہوئے فیصلہ میں فل بینچ کی کثرت رائے سے اختلاف کیا جنہوں نے یہ قرار دیا کہ مکرر تجویز بروئے ان تنقیحات کے عمل میں آنی چاہیے کہ آیا عبادت کنندگان کو سائلان نے خلل مچایا اور آیا وہ خلل بباعث افعال و روئداد سائلان کے ہوا تھا جس سے ان کا ارادہ خلل مذکور پہنچانے کا تھا جس کی نسبت وہ جانتے تھے یا باور کرتے تھے کہ اس سے غالباً خلل مذکور واقع ہوگا۔ جس نتیجہ پر جسٹس محمود پہنچے یعنی یہ کہ جرم حسب دفعہ 296 بروئے واقعات مجوزہ ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس سے دفعہ 107 کی تعلق پذیری کا سوال غیر تصفیہ شدہ چھوڑا گیا بلحاظ اس امر کے کہ سوال جو اٹھایا گیا ہے جماعت مسلمانوں کے واسطے بہت اہم ہے اس لئے ہم درخواست ہذا کو اجلاس ڈویژن بنچ میں مرسل کرتے ہیں، نہایت جلد کی تاریخ مقرر کی جائے سرکار کی طرف سے حاضری ہونی چاہیے اور ہم کو قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ درخواست کی سماعت ایسے بنچ سے کی جائے جس میں ہم شامل ہوں۔

قانونی امر متعلقہ کا استصواب فل بینچ سے بذریعہ حکم ذیل ڈویژن بنچ (ریڈ اور کننگٹن) کے کیا گیا تھا۔ (26۔ اپریل 1902ء)

وکیل سرکار بروئے ان سندات کے جن کا حوالہ حکم استصواب میں دیا گیا ہے کہ سائل اس وقت تک کوئی بے جا فعل نہیں کر رہا تھا جب اس نے نماز کے وقت لفظ آمین باآواز بلند ایک مسجد میں کہا جس میں ایسی جماعت تھی جس میں سب مقلد تھے اور سائل غیر مقلد ہے۔

یہ سوال کہ آیا کسی شخص کی نسبت یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ غالباً آسائش عامہ میں خلل انداز ہوگا اس وجہ سے کہ وہ غالباً ایسا فعل کرے گا جو بے جا نہیں ہے گو اس سے غالباً دیگر اشخاص کو رنج پہنچے گا اور اس کے باعث وہ ہنگامہ کریں گے یا نقض امن کے مرتکب ہوں گے نئی قسم کا سوال ہے اور ہم حکام کی رائے میں اس قدر اہم ہے کہ اس پر اجلاس کامل میں غور ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں بلحاظ اس امر کے بھی کہ سوال مذکور مقدمہ ہذا میں بہ تعلق مذہبی حقوق مسلمانوں کے اہم ہے درخواست اجلاس کامل (فل بینچ) میں مرسل کی جاتی ہے۔ ان فاضل حکام کے فیصلہ کو جن سے فل بینچ قائل ہوا تھا جسٹس ریڈ نے صادر کیا۔

ریڈ۔ چیف جسٹس:۔ یہ درخواست نگرانی فل بینچ میں مرسل کی گئی ہے۔ حکام استصواب مورخہ 31 جنوری اور 26 جنوری کو فیصلہ ہذا کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

ہم حکام کا یہ قرار دینے میں اتفاق ہے کہ سائل نے اس وقت بے جا فعل نہیں کیا جب اس نے مسجد میں جہاں عموماً اشخاص مقلد آیا کرتے ہیں لفظ آمین باآواز بلند کہا اور کہ غالباً وہ نقض امن کا مرتکب نہ ہوگا۔ جن سندات کا حوالہ اول حکم استصواب میں دیا گیا ہے ان کے یہاں مکرر حوالہ دینے کی حاجت نہیں ہے۔

یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیا سائل کا لفظ آمین کو حسب متذکرہ صدر کہنے سے آسائش عامہ میں غالباً خلل انداز ہوگا۔

برائے اغراض بحث مذکور ہم مانتے ہیں کہ مسجد زیر غور ایک مقام عام ہے۔ میکسول کی کتاب بابت تعبیر قوانین طبع سوم صفحہ 369 میں برائے سندات محولہ قرار دیا گیا ہے کہ کسی ایکٹ کی تعبیر کے وقت ٹھیک تعبیر کے قاعدہ کی رو سے یہ مطلوب ہے کہ عبارت کی تعبیر اس طرح کی جائے کہ ایسی کسی صورتوں کا اس کے اندر آنا قرار نہ دیا جائیگا جو اس کے الفاظ کے معقول معنٰی کے اندر اور قانون کی منشاء اور حیطہ کے اندر نہیں آتے۔

بمقدمہ قیصر ہند بنام رمضان (انڈین لاء رپورٹ جلد ہفتم الہ آباد ص 461۔ فل بینچ)، جسٹس محمود نے جملہ ذیل کا اقتباس بشپ کی کتاب قانون فوجداری طبع ششم جلد دوم ص 308 سے کیا تھا۔

یہ امر کہ کسی جلسہ یا مجمع عام میں خلل اندازی یا ہنگامہ کس چیز سے قائم ہوگا، ایک تعریف کے اندر جو تمام صورتوں کے مناسب حال ہو آسانی سے نہیں لایا جا سکتا۔ ضرور اس کا حصر ہر ایک خاص قسم کے جلسہ کی نوعیت اور خاصیت پر اور ان اغراض پر ہوگا جن کے واسطے جلسہ کیا گیا ہو۔ اور نیز بہت کچھ اس قاعدہ اور دستور پر جس کا اطلاق ایسے جلسوں پر ہو چونکہ قانون کی رو سے یہ تعریف نہیں کی گئی ہے کہ کیا شئے خلل انداز اور ہنگامہ متصور ہوگی۔ پس ضرور ہے کہ اس کا فیصلہ ہر ایک خاص صورت میں بطور سوال امر واقعہ کے کیا جائے۔

سائل اس نماز میں شامل ہوا تھا جو مسجد مذکور میں پڑھی گئی اور یہ تجویز نہیں کیا گیا ہے کہ اس کا منشاء یہ تھا کہ دیگر عبادت کنندوں کو خلل پہنچائے یا کہ اس نے فقط آمین باآواز بلند کسی اور طرح پر کہا بجز اپنی عبادت کی نیک نیتی کے ساتھ بجا آوری میں، جیسا کہ ایچ چیف جسٹس نے مقدمہ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ ((انڈین لاء رپورٹ جلد دوازدہم الہ آباد صفحہ 494۔ فل بینچ) تحریر کیا تھا۔ نامبردہ کو مسجد مذکور میں عبادت کرنے کا استحقاق حاصل تھا کیونکہ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ مسجد خاص فرقہ کے مسلمانوں کے لئے قطعی مخصوص کی گئی تھی۔

اندریں حالات ہم قرار دیتے ہیں کہ سائل کی نسبت یہ احتمال نہ تھا کہ اپنی اس عادت سے کہ مسجد مذکور میں عبادت کیا کرتا تھا آسائش عامہ میں

خلل پہنچائے گا اور اس امر سے کہ شاید دیگر عبادت کنند گان اس کی طرز عبادت پر اعتراض کریں حکم مصدرہ جائز نہیں ٹھہرتا۔ یہ بات کہ وہ عبادت کنند گان غالباً کیا کریں گے سائل کی غالب فعل کے سوال سے بے تعلق ہے۔

ہم تحریر کرتے ہیں کہ درخواست گذار نیدہ بخدمت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو بطور اپیل کے پیش اور بیان کی گئی تھی مگر اس کا تصفیہ بطور درخواست نگرانی کے کیا گیا۔ جیسا کہ ایک اور اردو یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کوئی اپیل بناراضی حکم حسب دفعہ 107 نہیں پہنچتا۔ ہم حکام اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں جس کی روسے سائل کو ضمانت داخل کرنے کی ہدائت کی گئی۔ درخواست منظور کی گئی۔

(منقول از فتوحات اہلحدیث)

ہائی کورٹ بنگال دربارہ مقدمہ مابین اہلحدیث و مقلدین

واقع موضع باڑہ ضلع دربھنگہ

جسٹس رابرٹ فلٹن ریم پینی، جسٹس چارلس پیٹر کس پرز

اپیل بناراضی ڈگری عدالت اپیل نمبر 455، 1904ء

اپیل بناراضی ڈگری بابو پرسنوں کمار بوس سب جج دوم مقام ترہت مورخہ 19 مئی 1903ء بابت بحالی فیصلہ بابو ہیم چندر مکرجی منصف مقام دربھنگہ مرقومہ 25جولائی 1902ء

شیخ فرزند وغیرہ مدعا علیہم از نمبر 1 تا 9 و نمبر 18 و نمبر 19۔ اپیلانٹان بنام

شیخ محمد اسماعیل وغیرہ مدعیان رسپانڈنٹان

وکیل اپیلانٹان ۔ سوغات علی۔۔۔ وکیل رسپانڈنٹان سید شمس الہدی وعبد الجواد

اپیل ہذا متعلق ایک ایسے مقدمے کے ہے جس کو مدعیان نے بغرض استقرار اس امر کے دائر کیا تھا کہ ان لوگوں کو حق نماز پڑھنے اور امامت کرنے کا اس مسجد میں حاصل ہے جو موضع باڑھ پرگنہ پنڈارج ضلع دربھنگہ میں واقع ہے۔ ہر دو عدالت ہائے ماتحت نے مدعیان کو ڈگری دیا ہے اور مدعا علیہم از نمبر 7 و نمبر 18 و نمبر 19 نے اس عدالت میں اپیل ہذا دائر کیا گیا اور ان لوگوں کی طرف سے دو وجوہ اپیل کے ہم لوگوں کے یہاں پیش کئے گئے ہیں۔ اولاً یہ کہ دفعہ 30 مجموعہ ضابطہ دیوانی کی روسے مقدمہ ہذا قابل چلنے کے نہیں ہے۔

و ثانیاً یہ کہ چونکہ مدعیان سنی نہیں اسلئے وہ لوگ مسجد متنازعہ میں نماز پڑھنے کے مستحق نہیں ہیں مجملہ ان عذرات کے پہلا عذر لاطائل و بیکار ہے۔ دفعہ 30 مجموعہ ضابطہ دیوانی کا اطلاق صریحاً مقدمہ ہذا پر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ مدعیان نے خاص اپنے لئے مقدمہ دائر کیا ہے اور ان لوگوں نے کسی جماعت عام اشخاص کیلئے مقدمہ دائر نہیں کیا ہے۔ دوسرے عذر کی نسبت ہماری یہ رائے ہے کہ چونکہ مدعیان اپنے کو سنی یا مسلمان بہرنوع قرار دیتے ہیں اسلئے ان لوگوں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ مسجد میں جائیں اور اس میں اپنی نماز پڑھیں۔

بمقدمہ فل بنچ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ مندرجہ انڈین لاء رپورٹ جلد 12 مطبوعہ الہ آباد صفحہ 494 بھی اس عدالت کے اس فیصلہ میں جو بمقدمہ آدم شیخ بنام عیسی شیخ صادر ہوا اور جو مندرجہ کلکتہ ویکلی نوٹ جلد اول ص76 ہے یہی رائے قائم ہو چکی ہے۔ اسلئے اپیل ہذا کیلئے کوئی وجہ نہیں اور ہم اس اپیل کو معہ خرچہ ڈسمس کرتے ہیں۔ (منقول از فتوحات اہل حدیث)

مقدمات امرتسر 1912ء

7جون 1912ء کی شب کو محلہ بھنگیاں امرتسر کے اہلحدیث نے مولانا ثناء اللہ کا وعظ سننے کا انتظام کیا چنانچہ مولانا موصوف تشریف لے گئے۔ جونہی کرسی پر بیٹھے چند افراد، جو حافظ جماعت علی شاہ صاحب کے مرید تھے، نے مزاحمت کی اور سامنے رکھی ہوئی میز کو الٹ دیا۔ ایک شخص اہل حدیث غلام محمد المعروف گاما کو بہت مارا۔ اس پر مقدمات کی بنا ہوئی۔ ایک مقدمہ گاماں مضروب کا، دوسرا مولانا ابوالوفاء کا استغاثہ۔ تیسرا جو اسی ضمن میں اخبار اہل فقہ کے اڈیٹر نے مولوی حکیم محمد الدین مرحوم کی نسبت خلاف شان الفاظ لکھے تھے۔ ان الفاظ ہتک آمیز کی بنا پر حکیم صاحب کے فرزند محمد اسحاق نے استغاثہ ازالہ حیثیت زیر دفعہ 500۔ اڈیٹر اہل فقہ پر دائر کیا۔

درج بالا تین مقدمات تو اہل حدیث کی طرف سے تھے، ان کے علاوہ دو مقدمے احناف کی طرف سے دائر ہوئے جن میں سے ایک مقدمہ مریدان حافظ جماعت علی کی طرف سے بعنوان بلوا تھا، جس کا بیان تھا کہ مولوی ثناء اللہ، مولوی نور محمد، خواجہ حبیب اللہ وغیرہ 21۔ افراد ڈانگیں لے کر ہمارے مکان پر آئے اور بلوا کیا۔ مکان بند تھا دروازہ کو ڈانگیں مار کر فحش گالیاں دے کر چلے گئے۔ دوسرا مقدمہ حنفی جماعت کی طرف سے تھا کہ کٹڑہ حکیماں کے ایک شخص کی اپنے داماد سے کچھ ان بن تھی۔ داماد کی طرف سے لوگ لڑکی کو لینے آئے۔ نامعلوم کیا واقعہ پیش آیا، لڑکی والے نے استغاثہ دائر کر دیا کہ یہ لوگ میری لڑکی کو جبراً اٹھا کر لینے آئے تھے ۔ ان لوگوں میں ایک نو جوان لڑکے (محمد یعقوب) اہل حدیث کی جماعت کا نام بھی کسی وجہ سے لکھوا دیا۔

احناف کے پہلے مقدمے میں اکیس ملزمین سے 14۔ اشخاص کو حاکم نے سرسری بیان سن کر ہی نکال دیا اور دفعہ جو استغاثہ میں سخت (147) لگائی تھی نرم کر کے 352 مقرر کی مگر ابھی تک نہ تو باقاعدہ مستغیثوں کے بیان ہوئے نہ گواہوں کی باقاعدہ شہادت اور جرح ہوئی۔ جو ہوا صرف سرسری بیان پر ہوا۔ فریق ثانی نے اس فیصلہ کی اپیل کی۔ تیسرا مقدمہ اس اپیل کا ہوا۔ اس لئے کل چھ مقدمات دائر عدالت ہوئے۔

ٹھاکر مہان چند، جن کی عدالت میں مقدمات تھے، نے کئی دفعہ بر سر اجلاس فرمایا کہ امرتسر کی انجمن اسلامیہ کو دخیل ہو کر مصالحت کرانی چاہیے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر امرت سر کے ایماء سے شیخ نجم الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امر تسر نے اہل حدیث کو حاجی فتح محمد سوداگر چرم ممبر میونسپل کمیٹی (اہل حدیث)، اور احناف کو سید بڈھے شاہ (حنفی) کے ذریعے بلایا۔ اور سب مقدمات کے فیصلہ کے لئے شیخ نجم الدین منصف مقرر ہوئے۔

شیخ نجم الدین کا فیصلہ آگے درج ہوتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اہل حدیث کے تینوں مقدمات میں فیصلہ مثبت کی صورت میں ہوا اور حنفیوں کے مقدمات کا نفی کی صورت میں۔ یعنی اہل حدیث کے اس مقدمہ میں مولانا ابو الوفاء کا استغاثہ تھا، عزیز ملزم کو منصف نے معافی مانگنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے معافی مانگی اور مولانا نے معافی دے دی۔ جس مقدمہ میں گاما مضروب کا استغاثہ تھا، منصف نے گاما کو فریقین سے مبلغ۔۔۔ روپئہ دلوائے۔ اس مقدمہ میں جو محمد اسحاق خلف حکیم محمد الدین مرحوم کا اڈیٹر اہل فقہ پر تھا منصف نے اڈیٹر مذکور اخبار اہل فقہ میں افسوس شائع کرنے کا حکم دیا۔

فریق ثانی کے اس مقدمہ میں جو اکیس افراد پر بلوا کا تھا، منصف نے بوجہ بے ثبوت ہونے کے چھوا ہی نہیں، بلکہ صاف فرمادیا کہ یہ مقابلہ میں بنایا ہے۔ لڑکی اٹھانے کے مقدمہ کو بھی اسی اصول سے فیصلہ میں ذکر نہیں کیا۔ تیسرا مقدمہ اپیل کا تھا وہ چونکہ بلوا والے مقدمہ کی فرع ہے۔ جب اصل میں فیصلہ راضی نامہ سے ہوا تو اس میں بھی یہی فیصلہ ہے، لہذا اس کا ذکر بھی فیصلہ میں نہیں کیا۔

فیصلہ: امرت سر کے اہل حدیث اور اہل فقہ (حنفی گروہ) کی طرف سے بالمقابل ایک دوسرے کے خلاف کل چھ مقدمات فوجداری مختلف عدالت ہائے فوجداری امرت سر میں زیر تجویز ہیں۔ ان مقدمات کے فریقین نے تنازعات کے لئے مجھے منصف بنایا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ جو کچھ فیصلہ میں کردوں اس کو فریقین منازعت منظور کریں گے۔ میں نے فریقین کے عذرات اور بحث کو سنا اور ضروری امور کے متعلق نوٹ بھی کئے اور جہاں تک ہو سکا میں نے اس منازعت کے متعلق بذریعہ تحقیقات صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے میں اپنا فیصلہ یہ دیتا ہوں کہ شش مقدمات کے مستغیث اپنا اپنا مقدمہ بذریعہ ادخال راضی نامہ یا دست برداری عدالت متعلقہ سے ودڈراء withdraw کریں اور اس میں یہ لکھ دیں کہ بموجب فیصلہ منصف ہم اس مقدمہ کو ودڈراء withdraw کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں مفصل فیصلہ سناؤں گا کہ اس نزاع میں کون کون شخص یا اشخاص قانوناً یا اخلاقاً قصوروار ہیں اور ان کو فریق ثانی سے کس کس طرح پر اپنی تقصیرات کی معذرت یا تلافی کرنی چاہیے اور آئندہ کے واسطے اس کا رویہ یا لہجہ کیسا ہونا چاہیے۔ چنانچہ جملہ مقدمات میں راضی نامہ جات یا دست برداری داخل ہو چکی ہیں۔ اب میں مفصلہ ذیل امور کا فیصلہ کرتا ہوں:

اول: اخبار اہل حدیث نے خواہ بتحریک خود یا بنا بر نقل مضامین اخبار بنگلور موسومہ برق سخن حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب صوفی کی شان میں جو فقرے یا الفاظ درج کر کے حافظ صاحب پر رکیک حملے کئے ہیں ان سے حافظ جماعت علی شاہ صاحب کے پیرو و مریدان یا معتقدان کو ضرور رنج پہونچا ہے اور چونکہ ان متخاصمین کے درمیان صلح ہوگئی ہے اس واسطے اڈیٹر اخبار اہل حدیث کا فرض ہے کہ ان تحریرات کی نسبت اپنے آئندہ پرچہ اہل حدیث میں اظہار افسوس کریں (حافظ جماعت علی کا معاملہ مقدمات متدائرہ میں نہیں ہے لہذا منصف صاحب کا یہ فرمانا فیصلہ میں نہیں آسکتا بلکہ نیک نیتی سے مشورہ ہے اس لئے میں حسب مشورہ منصف، جناب ثناء اللہ امرتسری نے اظہار افسوس کیا)

دوئم: اخبار اہل فقہ نے مولوی ثناء اللہ کی شان میں خواہ صریحاً یا معنًا نامناسب اور غیر مہذب الفاظ یا فقرات کو اپنے اخبار یا اشتہارات میں درج کرنے سے جو رکیک حملہ مولوی ثناء اللہ پر بر خلاف اخلاق اور خلاف تہذیب کیا ہے اس کی نسبت اڈیٹر اخبار اہل فقہ آئندہ پرچہ اہل فقہ میں اظہار افسوس شائع کریں اور نیز حکیم محمد الدین پدر محمد اسحاق مشتغیث استغاثہ دفعہ 500 کی نسبت جو الفاظ بد معاشانہ لہجہ یا خس کم جہاں پاک درج کئے ہیں ان کی نسبت بھی اسی اخبار اہل فقہ میں اظہار افسوس کریں۔

سوم: چونکہ گاماں مضروب جس کو خفیف ضرب لگی ہے ضرور زخمی ہوا ہے مگر یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ کس کے ہاتھ سے اس کو چوٹ لگی لیکن بہر حال میں اہل فقہ (حنفی گروہ) کی طرف سے عبد العزیز اور اہل حدیث کی طرف سے محمد یعقوب دونوں ایسے نوجوان ہیں جو بے شک جوشیلے ہیں اور غالباً زیادہ ذمہ داری 7 جون کے تنازعہ کی انہی دونوں پر ہے کیونکہ اہل حدیث کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ گاماں کو ضرب عبد العزیز سے لگا ہے اور حنفی کہتے ہیں کہ محمد یعقوب نے ماری اور ہنوز یہ معاملہ ٹھیک طور پر روشنی میں نہیں لایا گیا کہ در اصل کس کی چوٹ لگی لیکن چونکہ اب فریقین میں صفائی ہوگئی ہے اور مقتضائے یگانگت اور انسانی ہمدردی یہ ہے کہ ایک غریب مضروب کو کچھ معاوضہ دیا جائے۔ اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ 25 روپئہ عبد العزیز اور 25 روپئہ محمد یعقوب مسمی گاماں مضروب کو معاوضہ دیں اور اگر وہ ایسا معاوضہ نقد لینا پسند نہ کرے تو دونوں اشخاص محمد یعقوب و عبدالعزیز گاماں مضروب کی معذرت با ظہار افسوس آج ہی میرے روبرو اس موجودہ مجلس میں کریں۔

چہارم: برائے آئندہ ہر دو فریق کے علماء آزادی سے وعظ کر سکتے ہیں اور مذہبی مسائل کے اختلافات کا اظہار زبانی یا تحریری کر سکتے ہیں لیکن ہر حال میں ہر ایک شخص کو اپنا لہجہ ایسا اختیار کرنا چاہیے کہ نہ تو خلاف قانون ہو اور نہ ہی خلاف اخلاق اور نہایت شریفانہ اور مہذب ہونا چاہیے اور اس امر کو ہر وقت وعظ میں ملحوظ رکھنا ہو گا کہ کوئی فعل منجر بہ نقض امن نہ ہو۔ اور واضح رہے کہ کسی محلہ میں کسی فریق کو دوسرے فریق کے علماء کے وعظ کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

پنجم: عزیز میر نے جن الفاظ میں مولوی ثناء اللہ کو وعظ سے منع کیا ان الفاظ سے ثابت ہے کہ اس نے ان کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی، البتہ عبد العزیز نے مولوی ثناء اللہ کو وعظ کرنے سے نہ صرف روکا بلکہ کسی قدر گستاخی بھی کری۔ اس واسطے عبد العزیز اس مجلس میں مولوی ثناء اللہ صاحب سے معافی مانگے اور وہ معافی دے دیں گے۔

ششم۔ محمد یعقوب نے عزیز میر اور عبد الاحد وغیرہ کی خانہ تلاشیاں بلاوجہ کرائیں اور ان کو رنج پہنچایا ہے اس واسطے محمد یعقوب کا فرض ہے کہ وہ ان دونوں سے سر مجلس موجودہ معافی مانگے اور وہ معافی دے دیں گے۔ فیصلہ سنایا گیا۔

ایک ایک نقل فریقین کو دے دی جاوے اور حسب مندرجہ فیصلہ ہذا میرے روبرو جس جس کو دوسرے سے معافی مانگنی چاہیے تھی مانگی گئی اور تعمیل فیصلہ ہو چکی ہے۔

دستخط انگریزی۔ شیخ نجم الدین ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امرت سر

(اہل فقہ کے اڈیٹر نے یہ فیصلہ 29 جولائی 1912ء کے پرچہ میں بطور ضمیمہ درج کر کے گزشتہ رنجدہ الفاظ پر حکماً اظہار افسوس کیا ہے)۔

سری نگر

عریضہ بخدمت جناب گورنر صاحب کشمیر

جناب والا! سننے میں آیا ہے کہ کشمیر جیسے با امن ملک میں آج کل مسلمانوں کی دو جماعتوں میں فساد ہو رہا ہے ایک اہل حدیث دوسرے حنفی۔

حنفیوں کے بعض مفتیوں نے جناب کو درخواست دی ہے، اہل حدیث کو عید گاہ میں نماز عید پڑھنے سے روک دیا جائے کیونکہ یہ لوگ آمین اونچی کہتے ہیں۔

اونچی آمین کہنے سے کسی کو روکنا شرع شریف میں سخت منع ہے اونچی آمین مسلمانوں میں ایسی مروج ہے کہ کعبہ شریف میں بھی ہوتی ہے بیت المقدس میں بھی ہوتی ہے یہاں تک کہ بغداد شریف میں خود حضرت پیر صاحب کی مسجد میں بھی بلند آمین ہوتی ہے۔ مگر میں جناب کو ان دور دراز مقامات کے واقعات سننے کی تکلیف دینا نہیں چاہتا بلکہ جیسا کہ اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے میں نے بذریعہ تار جناب کو مطلع کیا تھا خاص کر ہندوستان ہی کی ہائی کورٹوں کے فیصلوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

خبر پہنچی ہے کہ جناب نے چند سوال بغرض جواب کسی فریق کو دیئے ہیں۔ ہمیں یہی خیال رکھنا چاہیے کہ جناب نے از راہ انصاف ایسا کیا ہے تاکہ کسی فریق کی حق تلفی نہ ہو۔ مگر میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے جناب کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس قسم کے سوالات اور جوابات کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کی تمام ہائی کورٹوں میں فیصلے ہو چکے ہیں کہ آمین بالجہر کہنا ایک جائز کام ہے ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ ہائی کورٹ الہ آباد، ہائی کورٹ کلکتہ وغیرہ میں فیصلے ہوئے یہاں تک کہ 1891ء میں پریوی کونسل لندن میں بھی فیصلہ بحق اہل حدیث ہوا۔

سب سے آخری فیصلہ چیف کورٹ پنجاب کا 1902ء میں ہوا ہے۔ ایک شخص خدا بخش نامی ساکن دہلی نے اپنے محلہ کی مسجد میں بلند آمین کہی مجسٹریٹ ضلع کے ہاں شکایت کی گئی مجسٹریٹ ضلع نے اس کو منع کر کے آئندہ نہ کرنے کی ضمانت طلب کی۔ اس نے چیف کورٹ میں اس حکم کی نگرانی کی۔ چیف کورٹ پنجاب کے ججوں نے بالاتفاق اس نگرانی کو قبول کیا اور صاف لکھا کہ آمین بلند کہنا ایک جائز فعل ہے۔ جائز فعل پر کسی طرح ضمانت نہیں لی جا سکتی چنانچہ فیصلہ کا یہ فقرہ قابل ملاحظہ ہے:

ہم حکام کا یہ قرار دینے میں اتفاق ہے کہ سائل نے اس وقت کوئی بے جا فعل نہیں کیا جب اس نے مسجد میں جہاں عموماً اشخاص آیا کرتے ہیں لفظ آمین بآواز بلند کہا اور وہ غالباً نقض امن کا مرتکب نہیں ہو گا۔

پس ان فیصلہ جات کی بنا پر جناب کو توجہ دلاتا ہوں کہ آپ اس مقدمہ میں زیادہ دماغ سوزی کی زحمت اپنے ذمہ نہ لیں بلکہ ہائی کورٹوں اور پریوی کونسل کے فیصلوں پر جن پر از روئے قانون بھی اعتماد کرنا آپ پر واجب ہے اعتماد کر کے اپنا قیمتی وقت بچا لیں اور حکم صادر فرماویں کہ حسب فیصلہ جات عدالت ہائے عالیہ ہر ایک مسجد میں آمین اونچی کہنے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ والسلام۔ آپ کا باوفا:

ابو الوفا ثناء اللہ آنریری جنرل سکرٹری آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس۔ از امرتسر

(اہل حدیث جلد 19 نمبر 1۔ 4 نومبر 1921ء، 3 ربیع الاول 1340ھ ص 2)

جناب ثناء اللہ امرتسری بتاتے ہیں:

سری نگر نے رسمی حنفی علماء نے اہل حدیث کی عید گاہ میں نماز عید کے لئے آنے سے رکوا دیا اور ایک اشتہار شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ فرقہ وہابیہ مفسد ہیں بغرض انسداد فساد ان کو مسجدوں میں نہ آنے دینا چاہیے۔ اس پر میں نے اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے گورنر کشمیر کو تار دیا کہ ہندوستان کی ہائی کورٹوں کے علاوہ پریوی کونسل لندن نے بھی اہلحدیث کو ہر مسجد میں نماز پڑھنے کا

حق دیا ہے اس لئے ہم اپنے کشمیری بھائیوں کے حق میں انصاف کی امید رکھتے ہیں۔ چنانچہ گورنر نے اپنے حکم کو صرف ایک دفعہ تک محدود فرمادیا اور مقدمہ ایک ذی علم مسلمان منصف کے سپرد ہوا۔ اہل حدیثان کشمیر نے (مجھے) کہا کہ پیروی کے لئے خود آئو یا مولانا سیالکوٹی کو بھیجو۔ ہم عذر کرتے رہے یہاں تک کہ خط آیا کہ اگر یہ مقدمہ خراب ہو گیا تو ہمارے رہنے کے لئے کوئی جگہ تجویز کرنی ہوگی، تو ہم دونوں 3 ستمبر 1922ء کشمیر میں وارد ہوئے۔ 4 ستمبر کو میری شہادت شروع ہوئی 8 کو ختم ہوئی۔ فریق مخالف نے اتنے سوال کئے کہ شمار سے باہر ہیں۔ شہادت کا خلاصہ مذہب اہل حدیث کی حقیقت اور ماہیت کا اظہار تھا۔ اور مخالفین کے اتہامات کی تردید اور مساجد میں سب کلمہ گو مسلمانوں کے حقوق ادائے نماز مساوات فریق ثانی کو ہر قسم کی جرح کا حق تھا جس کا افسوس نہیں لیکن انہوں نے بعض سوالات ایسے بھی کئے جو ایک حنفی کے منہ سے نہیں بلکہ اہل قرآن و منکر حدیث کے منہ سے زیبا تھے۔ خیر ہم نے سب سوالوں کے جواب دیئے۔ مولانا سیالکوٹی کی شہادت بھی ہوئی۔ (اہل حدیث امرتسر 15۔ ستمبر 1922ء۔22 محرم 1341ھ ص 1۔3)

مولانا میر سیالکوٹی کی شہادت بھی ہوئی مگر بہت مختصر۔ یہی پوچھا گیا کہ مکہ معظمہ مصر اور بیت المقدس میں آپ نے اہل حدیث کے افراد دیکھے؟ فرمایا۔ ہاں دیکھے۔ وہ بھی بامن وعافیت اپنے طریق پر نماز پڑھتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں شریف مکہ کے حکم سے حرم کعبہ میں وعظ بھی کہتا تھا۔ ثناء اللہ

(اہل حدیث امرتسر 22 ستمبر 1922ء)

کاسگنج ضلع ایٹہ۔1929ء

عدالت منصفی مقام کاسگنج۔ نمبر ابتدائی۔97 بابت 1929ء تاریخ یکم مارچ 1929ء

مرزا امام بیگ ولد حسین علی بیگ، کریم اللہ ولد فیضو سکنہ کاسگنج پرگنہ بلرام، کاسگنج ضلع ایٹہ۔ مدعیان۔

آٹھ کس مدعا علیہم۔

درخواست:

الف: مدعا علیہم کو بذریعہ حکم امتناعی دوامی ممانعت کی جاوے کہ وہ مدعیان کی عبادت نماز میں رفع یدین کرنے اور آمین بالجہر کہنے اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں مسجد حلوائیاں واقع محلہ ناتھورام واقع کاسگنج میں کسی قسم کی مزاحمت باجماعت یا جدا گانہ ادا کرنے میں نہ کریں۔

ب: خرچہ نالش ہذا دلایا جائے۔

31 جولائی 1929ء۔ یہ مقدمہ آج واسطے انفصال قطعی کے روبرو بابو کیشوری پرشاد ایم اے بی ایس سی ایل ایل بی منصف (بحاضری وکلاء فریقین) پیش ہوا۔

یہ ڈگری وحکم ہوا کہ

مدعا علیہم کو بذریعہ حکم امتناعی دوامی ممانعت کی جاتی ہے کہ مدعیان کی عبادت نماز میں رفع یدین کرنے اور آمین بالجہر کہنے اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں مسجد حلوائیاں واقعہ محلہ ناتھورام قصبہ کاسگنج میں کسی قسم کی مزاحمت باجماعت یا جداگانہ ادا کرنے میں نہ کریں خرچہ فریقین ذمہ فریقین رہے۔

آج بتاریخ 31 ماہ جولائی 1929ء بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

(منشی رکیشوری پرشاد منصف)

(نقل فیصلہ موصولہ از جناب عبد الوہاب انصاری کاسگنج)

کیکڑی ضلع اجمیر

کیکڑی میں ایک خاندان کے چند ممبر اہل حدیث ہو گئے ہیں۔ ان کو محلے کی خاندانی مسجد میں نماز پڑھنے سے حنفی بھائی روکتے اور کہتے کہ پڑھو تو ہماری طرح پڑھو۔ حکام تک نوبت پہنچی۔ چیف کمشنر اجمیر نے حکم دیا کہ اہل حدیث بعدالت دیوانی اپنا استحقاق ثابت کریں اور تافیصلہ مسجد میں نہ جائیں۔ اہل حدیث نے عدالت دیوانی میں دعوی دائر کیا۔ پہلی عدالت میں ان کی فتح ہوئی، دعوی استحقاق ثابت ہوا۔ فریق ثانی نے اپیل کی تو اپیل خارج ہوگئی۔ چاہیے تھا کہ قضیہ ختم ہو جاتا مگر جب اہلحدیث نے چیف کمشنر کو منسوخی حکم کی درخواست دی تو اس نے افسران کیکڑی سے رپورٹ طلب کی۔ مقامی افسر نے فریقین کو بلایا۔ فریق حنفی نے بجائے نرم رویہ کے تیزی اختیار کیا تو مقامی افسر نے لکھ دیا کہ اہل حدیث کو مسجد مذکور میں جانے کی اجازت دینے سے فساد کا خطرہ ہے۔ قانونی دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جس شخص یا فریق سے فساد کا خطرہ ہو اس سے حفظ امن کی ضمانت لی جائے۔ اس قانون کے لحاظ سے چاہیے تو یہ تھا کہ جس فریق سے مخل امن ہونے کا اندیشہ تھا اس سے ضمانت لے کر فریق مستحق کو اجازت دی جاتی۔ مگر مسلمانوں کو چیف کمشنر کا حکم پہونچا کہ پہلا نوٹس منسوخ نہیں ہو سکتا۔ یعنی چیف کمشنر نے دیوانی عدالت میں استحقاق ثابت کرنے کا حکم دیا۔ جب اہل حدیث نے ایسا کر دیا تو اپنی ہی عدالت کے فیصلہ کو پس انداز کر دیا۔

یہ 1922ء کے گردو پیش کی بات ہے اور ایک عرصہ تک جب حالات درست ہونے میں نہ آئے تو 1934ء میں اہل حدیث لیگ نے اجمیر کی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ عدلیہ کے فیصلہ پر عمل درآمد کرواتے ہوئے اہل حدیث حضرات کو مذکورہ مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا ایک وفد مشتمل بر حاجی عبد الغفار آف حاجی علی جان، حاجی بشیر الدین سوداگر، اور مولوی ثناء اللہ امرتسری شملہ گیا اور سر شفیع کی وساطت سے راجپوتانہ کے اعلی افسر سے ملا۔ نواب لوہارو نے بھی وفد کی تائید فرمائی۔ وفد نے اچھی طرح اپنا سارا حال سنایا۔ افسر مذکور نے بڑی توجہ سے سب

کچھ سن کر ہمدردی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ وہاں کے چیف کمشنر سے دریافت حال کروں گا کہ باوجود فیصلہ عدالت عالیہ کیوں اہل حدیث کو اجازت نہیں دی جاتی۔ صاحب موصوف کے دریافت کرنے پر وہاں کے اعلی حاکم نے جواب دیا کہ فیصلہ عدالتی بے شک ایسا ہی ہے لیکن چونکہ فساد کا خطرہ ہے اس لئے تاقیام امن اہل حدیث کو روک دیا گیا ہے(اہلحدیث 28۔اپریل 1922ء ص 2۔ 3؛19 جنوری 1934ء ص 11؛6 ستمبر ؟؟۔ ص 5)

سملی ضلع پٹنہ

موضع سملی ضلع پٹنہ میں ایک پختہ جامع مسجد میں اہلحدیث اور حنفی مل کر زمانہ دراز سے نماز پڑھتے چلے آئے اور امام ہمیشہ اہل حدیث رہے۔ پھر کسی نے احناف کو سمجھایا کہ اہلحدیث کے پیچھے نماز ناجائز ہے لہذا ان لوگوں نے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کیا اور قطعی ہر نماز میں احتراز کرنے لگے۔ پھر اس پر یہ اضافہ ہوا کہ چند لوگوں نے یہ تجویز کی کہ ہماری تعداد زیادہ ہے، اس پختہ مسجد سے بزور ان (اہل حدیث) کو نکال دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے جمعہ کے روز 15 مارچ 1929ء کو بڑی جمیعت سے حملہ کیا جس کا نتیجہ خوں ریزی تک پہنچا۔ مقدمہ فوجداری میں گیا۔ اور ایک برس تک مجسٹریٹ داناپور کے ہاں رہا۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ مسجد کا مقدمہ ہے اس کو کوئی قابل مسلمان فیصل کرے، میں اسلامی قانون سے ناواقف ہوں۔ چنانچہ دونوں فریق کی رائے سے مقدمہ دار القضا پھلواری شریف امیر شریعت کے پاس گیا۔ امیر شریعت نے طرفین سے اظہار لے کر فیصل کیا کہ دعوی حنفی بالکل غلط ہے، مسجد میں دونوں فریق کو مل کر نماز پڑھنی چاہیے۔ جو سب سے زیادہ قابل ہے وہ امام ہو بلا تخصیص حنفی اور اہل حدیث کے۔ اور تحقیقات کر کے مولوی محمد محسن صاحب کو امامت کی سند دی جو اہل حدیث ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں مولوی ابراہیم صاحب کو قائم کیا، جو حنفی ہیں۔ نقل سند حسب ذیل ہے۔

امابعد۔ پختہ مسجد سملی ضلع پٹنہ کی امامت کے لئے مولانا محمد محسن (اہل حدیث) ساکن موضع مذکور کو مقرر کرتا ہوں۔ وہ برابر جمعہ وعیدین میں امامت کریں اور مسائل مختلف فیہ میں احتیاط برتیں۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب کو ان کا قائم مقام مقرر کرتا ہوں کہ بصورت عدم موجودگی و معذوری مولانا محمد محسن صاحب مذکور کے امامت جمعہ و عیدین میں کریں۔ یہ سند لکھ دی ہے کہ وقت پر کام آوے۔ دستخط امیر شریعت، محمد محی الدین پھلواری 17 رجب 1341ھ۔ (اہل حدیث امرتسر 23 جنوری 1931ء۔ص 14)

گیا (بہار) میں موحدین متبعین سنت پر بہت ظلم کئے گئے حتی کہ مولوی فرخ حسین ناظم انجمن اہل حدیث کو حالت نماز میں آمین کہنے پر مار پیٹ کیا گیا۔ اس کے بعد مزید مار پیٹ کی دھمکیاں دی گئیں اور اہل حدیث خاموشی سے صبر کے ساتھ حسب دستور نماز پڑھتے رہے۔ ایک روز بعد نماز مغرب اعلان کر دیا گیا کہ کوئی غیر مقلد آمین رفع یدین کرنے والہ مسجد میں نماز نہ پڑھے، اگر پڑھے گا تو مار کٹائی ہوگی۔ یہ لوگ آمین رفع یدین والے اچھوت قوم ہیں جیسے ہندوؤں میں ڈوم چمار اور دو سادھ ہیں۔ حنفی خیال کے جتنے لوگ تھے سب نے اس اعلان کی تائید کی۔ پھر سختیاں بڑھتی رہیں۔ یہاں تک اہل حدیث مسجد چھوڑ دینے پر مجبور کر دیئے گئے۔۔۔ پھر بمشورہ وکلا و معززین گیا 18 مئی 1935ء مقدمہ من جانب اہل حدیث بغرض استقرار حق عبادت بعدالت منصفی دائر کیا گیا جس کا فیصلہ اہل حدیث کے حق میں ہوا۔

(اہل حدیث امرتسر یکم فروری 1935ء۔ ص 16: 14 جون 1935ء۔ ص 16؛ 9 اکتوبر 1936ء ص 14)

ایک معافی نامہ

(بعدالت مجسٹریٹ امرتسر 1942ء)

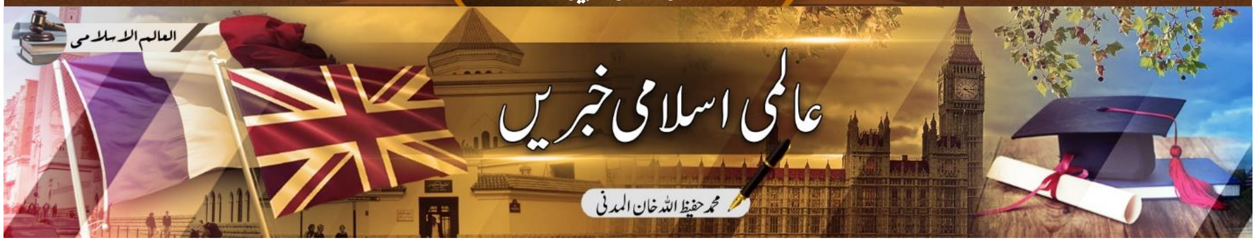
امرتسر سے اہل حدیث کا اخبار اہل حدیث نکلتا تھا اور احناف کا اخبار الفقیہہ نکلتا تھا۔ اہل حدیث کی مجلس ادارت میں جناب عبداللہ ثانی شامل تھے جو جناب ابراہیم سیالکوٹی کے شاگرد اور جناب ثناءاللہ امرتسری کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کے خلاف اڈیٹر الفقیہہ نے اپنے اخبار میں توہین آمیز مضامین شائع کئے۔ عدالت تک بات پہنچی تو اڈیٹر الفقیہ نے جن لفظوں میں عدالت میں معافی نامہ داخل کیا اور اخبار الفقیہ میں خود شائع کیا، درج ذیل ہے

بعدالت سردار دیواندر سنگھ اے ڈی ایم امرتسر

مولوی محمد عبداللہ بنام الہہ بخش وغیرہ۔

جرم زیر دفعہ 500۔501

میں معراج الدین ولد حکیم محمد ابراہیم صاحب اخبار الفقیہ امرتسر کا اڈیٹر و پبلشر ہوں۔ عنوان مقدمہ میں ملزم ہوں۔ میرے اخبار میں مولوی عبداللہ صاحب ثانی مستغیث کے متعلق جو مختلف مضامین۔۔ ستمبر 1941ء۔۔۔اکتوبر 1941ء میں شائع ہوئے ہیں۔ نیز پمفلٹ ایک مولوی کا کرشمہ بھی شائع ہوا ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جو الزامات مضامین متذکرہ بالا میں مستغیث کے خلاف شائع ہوئے ہیں وہ محض افترا ہیں ان کی اشاعت سے جو مستغیث کی توہین ہوئی ہے میں ان سے معافی چاہتا ہوں۔ اور آئندہ بھی اس کے متعلق کوئی توہین آمیز مضمون شائع نہ کروں گا۔ اور مقدمہ ہذا میں ملزمین کی کسی طرح اعانت بھی نہ کروں گا۔ 29 جون 1942ء معراج الدین احمد بقلم خود الفقیہ 7 جولائی 1942ء ص 12۔ (اہل حدیث امرتسر 17 جولائی 1942ء ص 8)



باحجاب مسلمان دوشیزہ لندن یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس یونین کی صدر بن گئیں

تاریخ میں پہلی دفعہ لندن یونیورسٹی برطانیہ کی اسٹوڈنٹس یونین کی صدارت ایک باحجاب مسلمان دوشیزہ کے حصہ میں آئی ہے۔ جس کو برطانیہ میں آئے ہوئے صرف 20 سال کا عرصہ ہوا ہے اور جس کے والد تیونس سے اور والدہ سوڈان سے تعلق رکھتی ہیں۔ شیماء دلالی کے نام سے موسوم اس دوشیزہ کو یونیورسٹی کے 19 ہزار طلباء وطالبات نے شیماء کی متنوع خصوصاً طلباء کے حقوق کے حوالے سے کی جانے والی انتھک جدوجہد کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا قائد منتخب کیا۔

آج سے 20 سال قبل جب وہ برطانیہ آئی تھیں، تو یہ بات ان کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھی کہ ایک دن وہ اسٹوڈنٹس یونین کے عہدہ صدارت پر فائز کردی جائیں گی۔

شیماء نے صدر بننے کے بعد اپنی آئندہ کی ترجیحات کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ ان کی پہلی ترجیح طلباء کے ان تمام حقوق کی بازیابی ہے جن سے وہ ابھی تک محروم چلے آرہے ہیں۔ نیز یونیورسٹی کے ماحول کو عصبیت، نسل پرستی اور شدت پسندی جیسے عوامل سے پاک و صاف کرنا بھی ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ یونیورسٹی میں ایک معتدل اور متوازن ماحول پروان چڑھانا چاہتی ہیں، جہاں ہر کسی کے ساتھ مساوات، رواداری اور احترام کو مدنظر رکھا جاتا ہو۔

واضح رہے کہ شیماء کے ساتھ یونین کی نائب صدر کے طور پر منتخب ہونے والی دو طالبات بھی نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ باحجاب اور متدین بھی ہیں۔

اسلامی اسکول کو نذر آتش کرنے کی کوشش، سویڈن

ایک خبر کے مطابق سویڈن کے شہر اوبرد میں قائم ایک اسلامک اسکول کی بلڈنگ کو چند نامعلوم شرپسندوں نے نذر آتش کرنے کی مذموم کوشش کی۔

تفصیلات کے مطابق عین صبح کے وقت جب کہ بلڈنگ خالی تھی، چہروں کو ماسک سے چھپائے ہوئے دو نامعلوم افراد نے گراؤنڈ فلور کی کھڑکیوں میں نصب شیشوں کو توڑ کر بلڈنگ میں آتشی مواد پھینک دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آگ بھڑک اٹھی اور بلڈنگ کو جزوی نقصان پہنچا۔ مدرسہ کے ذمہ داران نے بروقت پولیس کو اطلاع دے کر متنبہ کردیا۔ مگر اس واقعہ سے مسلم کمیونٹی خصوصاً طلباء اور ان کے والدین اس حملہ سے سخت تشویش کا شکار ہیں۔

پیرس کی مسجد میں دینی تعلیم پر پابندی

گزشتہ ہفتہ فرانس کے دار الحکومت پیرس میں واقع مسجد عمر بن الخطاب میں ویک اینڈ پر چلائی جانے والی دینی کلاسز کو حکومت نے غیر قانونی قرار دیتے ہوئے بند کرنے کا حکم جاری کردیا۔ یہ پابندی پولیس و دیگر متعلقہ وزارت سے متعلق افسران کی جانب سے مسلسل دو ہفتے مدرسہ اور طلبہ سے تحقیق وتفتیش کرنے کے بعد عائد کی گئی ہے۔

پولیس کا کہنا ہے کہ یہ ایک مسجد ہے، مدرسہ نہیں، لہٰذا یہاں صرف عبادت کی جاسکتی ہے۔ تعلیم وتدریس کے لیے علیحدہ لائسنس مطلوب ہوتا ہے جب کہ مقامی مسلمانوں اور مسجد کے ذمہ داران کا کہنا ہے کہ عیسائی طلبہ کے لیے چرچ میں ہر ویک اینڈ پر تعلیم کا نظام عرصہ سے قائم ہے۔

حکومت کو ان پر اعتراض نہیں، ان کا کہنا ہے کہ فرانسیسی حکومت ہمارے ساتھ مہاجرین جیسا سلوک روا رکھ رہی ہے۔ جبکہ ہم مہاجر نہیں، باقاعدہ اس ملک کے شہری ہیں۔ الحمد ہماری چوتھی نسل اس ملک میں پروان چڑھ رہی ہے۔